جملہ حقوق محفوظ

دسمبر ۱۹۰۸ء

ایڈیٹر
شیخ عبد القادر
شیخ محمد اکرام

مخزن

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا مجموعہ

نثر

تصویر ہز ہائنس سر آغا خاں جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔

اردو سبھا۔ شیخ عبد القادر بی اے ... ۱

درد دل۔ میر نذیر حسین صاحب ناشاد بی اے ۹

روح کی بیداری۔ مولوی فدا علیخاں ایم اے از بڑودہ

...کرکٹ اور فٹ بال۔ مولوی عبد اللہ خاں صاحب

...ممبر پنجاب ٹیکسٹ بک ڈویژن کمیٹی ۔ ۲۳

...کشمیری جی کی پوجا۔ میر ناشاد ... ۲۷

...الوہ کی سیر۔ مولوی سید احمد صاحب مارہروی ... ۳۱

...آتش کی عرضی۔ مسٹر محمد احمد صاحب ایم اے ایل ایل ایم بیرسٹر ایٹ لا ... ۴۰

...پیاری۔ پنڈت شیو نرائن صاحب شمیم وکیل چیف کورٹ ...

...مثنوی باغ بہار۔ سید خورشید علیصاحب از حیدرآباد دکن ۵...

...امام الحاضر آغا خاں۔ خواجہ سید حسن نظامی دہلوی ۶۰

نظم

کلام اکبر

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج ۔ ۶۵

عبد القادر کے نام

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے ۶۶

دار العلوم ندوہ

شمس العلماء مولانا حالی و شمس العلماء مولانا شبلی ۶۷

غزل

از جناب

صاحبزادہ محمد مصطفیٰ علیخاں صاحب پرائیویٹ سکرٹری

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسیقدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں

ان شہروں میں اردو دیسی زبان ہے ۔ ان شہروں میں اردو مروج ہے ۔ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا

قیمت سالانہ مع محصولڈاک قسم اول ... فی پرچہ ...

چیف کورٹ پنجاب کے سابق محترم جج

آنریبل خان بہادر مولوی محمد شاہدین صاحب جسٹس بیرسٹر ایٹ لا فیلو پنجاب یونیورسٹی و رئیس اعظم لاہور

فرماتے ہیں کہ

"مخزن حکمت یا گھر کا ڈاکٹر و حکیم مصنفہ "خانصاحب" حکیم و ڈاکٹر غلام جیلانی شمس الاطباء فی الواقع اپنی طرز کی پہلی کتاب اور ایک منظم تصنیف ہے۔ اس کتاب میں تمام ڈاکٹری و طبی اصطلاحات کو اردو مترادف الفاظ میں تحریر کیا گیا ہے اور اسمیں جو ابواب تشریح جسم و افعال الاعضاء ہیں اور جنمیں بہت سی سادہ و رنگین تصاویر ہیں وہ نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ میری رائے میں

مخزن حکمت

مجموعی حیثیت سے ایک عجیب و غریب بیش قیمت اور قابل قدر کتاب ہے۔ اور اگر وہ ہندوستان میں "طب خانگی و حفظ صحت" کی دیگر ہر دلعزیز کتابوں سے بہت جلد سبقت نہ لیجائے تو مجھے سخت تعجب ہوگا۔ مخزن حکمت کی ایک جلد ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی کے کتب خانہ میں ضرور ہونی چاہیئے"۔ حجم کتاب ۱۲۷۶ صفحات قیمت للعہ، مجلد للعہ +

ملنے کا پتہ دفتر جناب شمس الاطباء گمٹی لاہور

هز هائينس نامدار آغاخان سر سلطان محمد شاه حاضر امام
جي-سي-آئي-اي

مخزن

اُردو سبھا

زبانِ اُردو جس رفتار سے بڑھی اور بڑھ رہی ہے۔ اور جن امیدوں کے ساتھ ہر قوم و ملت کے ہواخواہانِ ملک کی نگاہیں اسکی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ اُس رفتار کو اُن امیدوں کا یہ تقاضا ہے کہ اس زبان کے جاننے اور ماننے والے ملکر اسکے قواعد بیش از بیش منضبط کرنے اِسکی ترقی کی رفتار کو باقاعدہ بنانے اور مصنفینِ اُردو کے حوصلے بڑھانے کی زبردست کوشش کریں۔ اس کوشش کی ایک صورت کئی برس سے میرے خیال میں ہے۔ اور بعض خاص دوستوں کے روبرو میں نے اپنی تجویز کا اظہار بھی کیا ہے۔ لیکن اسکے اعلانِ عام کی اس سے پہلے ہمت نہیں پڑی۔ کام اہم بھی ہے اور مشکل بھی۔ مشکلات ڈراتی ہیں کہ اسکا نام نہ لیا جائے۔ مگر اسکی اہمیت کہتی ہے کہ نہ کروگے تو ادائے فرض میں کوتاہی ہوگی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسے کام کسی ایک شخص یا دو شخصوں سے کرنیکے نہیں ہوتے۔ سیکڑوں آدمی سرگرمی سے محنت کریں جب انجام پاتے ہیں۔ پس اگر اُردو زبان کے مداح اور دوست اس تجویز کو ممکن العمل سمجھیں اور اسکے فوائد کو تسلیم کریں تو اپنی اپنی جگہ سالِ نو کی ابتدا اسی مبارک تحریک سے کردیں۔ اور کمرِ ہمت باندھ لیں کہ سال بھر اسکی تیاری

؎ معاصرین اور صاحبانِ اخبار سے التماس ہے کہ اس مضمون کو اپنے رسالوں۔ اور اخبارات میں درج فرماکر اپنی اپنی رائے کا اظہار بھی اسکے متعلق فرمائیں۔

میں صرف کرکے ایک ایسی مجلس قائم کریں جسکی مثال چشمِ فلک نے بھی نہ دیکھی ہو اس مجلس یا انجمن یا کانفرنس کا نام اردو سبھا رکھا جائے۔ اور یہ نام اُردو اور ہندی کی پائدار آشتی کی نیک فال ہو۔ ایک لفظ فارسی اصل کا اور دوسرا ٹھیٹ ہندی اصل کا ملکر اُس ترکیب کو یاد دلائے جس سے یہ بولی بنی تھی جسے آج ہم اپنے گھروں میں بولتے ہیں۔ اور جس میں موجودہ زمانے کی بیشتر تالیفات اور تصنیفات ہو رہی ہیں*

اس مجلس کی بنیاد اختلاف کے مٹانے اور اتحاد کے پیدا کرنیکے مستحکم اُصولوں پر رکھی جائے۔ ہندی پرچارنی سبھا اور انجمن ترقی اُردو یا اُور اسی قسم کی جماعتیں اپنے اپنے مقام پر وہ مفید کام برابر کرتی رہیں جو وہ کر رہی ہیں۔ مگر ایک جماعت ایسی ہو جسکا کام کسی فرقہ کے مقاصد خاص تک محدود نہو۔ نہ اُسکی شرکت کسی مذہب یا ملت کیلئے مخصوص ہو۔ بلکہ ہر شخص جو زبانِ اُردو میں کوئی تالیف و تصنیف رکھتا ہے یا اُسکے اہلِ قلم یا مقرروں میں شمار ہو سکتا ہے اس مجلس کا ممبر ہو سکے۔ اور اسکے جلسہ عام میں جب کبھی وہ منعقد ہو ہر شخص بلا قید رنگ و مذہب جو زبانِ اُردو سے واقف ہو یا اُس سے دلچسپی رکھتا ہو بہ حیثیت وزیٹر شریک ہو سکے ذیل میں اسکے مقاصد کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے:۔

۱۔ دنیائے اُردو کی حدود کی توسیع۔

۲۔ ہندوستان کی دیگر زبانوں سے رشتہ اتحاد۔

۳۔ زبانِ اُردو کے قواعد اور حدود کا تعین (جہانتک ممکن ہو)

۴۔ زبانِ اردو کے مختلف فیہ مسئلوں پر عالمانہ غور و فکر کرنا۔

۵۔ تازہ تصانیف و تالیفات و تراجم پر ایک جامع اور غائر نظر رکھنا۔ اور اہلِ تصنیف و تالیف کو مشورہ دینا۔

۶۔ خاص صورتوں میں مصنفین اور مولفین کی اشاعت تصانیف وتالیفات کے متعلق مالی امداد کرنا۔

۷۔ اُردو علم ادب کی ترقی کی تدابیر سوچنا اور عمل میں لانا۔ اور اُن جماعتوں کی حمایت کرنا جو اس کام میں مصروف ہوں۔

اُردو سبھا کے اغراض و مقاصد کا جو خاکہ میں نے اوپر کھینچا ہے۔ یہ فقط خاکہ ہی خاکہ ہے۔ تجویز کے مقبول ہونے پر اسمیں رنگ بھرے جا سکتے ہیں۔ اور اسے حسب ضرورت گھٹا یا بڑھایا جا سکتا ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جب مُلک بھر میں قوم کے عالم و فاضل اسکے متعلق دماغ سوزی کے لیئے آمادہ ہوں گے تو بہت سے مفید مطالب سُوجھ سکتے ہیں۔ سردست میں اسیقدر چاہتا ہوں کہ اہل الرائے حضرات یہ رائے دیں کہ اس قسم کی مجلس سے کیا کیا کام نکل سکتے ہیں۔ اور اسکی کسقدر ضرورت ہے*

آغاز کار کے لیئے جو طریق عمل میرے ذہن میں ہے وہ یہ ہے: سب سے پہلے بہت کوشش اور احتیاط کے ساتھ ایک فہرست مرتب کیجائے۔ جس میں ہندوستان کے ہر گوشے سے ایسے اصحاب کے نام دریافت کر کے درج کیئے جائیں جو اُردو تحریر یا تقریر کے ذریعے کوئی ملکی یا قومی خدمت کرتے ہوں۔ یا اُردو میں صاحب تصنیف یا تالیف ہوں۔ اس گروہ میں جب ناظم ناشر لکچرار اخبار نویس سب شامل کیئے جائیں گے تو ایک بہت بڑی فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ کسی بڑے مرکز میں ایک معقول کمیٹی کم از کم پندرہ بیس اصحاب کی قائم ہو۔ جو ان سب حضرات مندرجہ فہرست کو اردو سبھا میں شریک ہونے کو بلائے جلسہ کے لیئے کوئی تاریخیں ایسی انتخاب کی جائیں جو مشہور ملکی یا تعلیمی جلسوں مثل کانگریس و محمڈن کانفرنس کی تاریخوں سے علیحدہ ہوں۔ تاکہ یہ مجلس

کسی اَور ضروری مجلس کی حارج و مانع نہو - اِس طرح امید ہوسکتی ہے کہ اُن صاحبوں میں سے جنھیں بُلایا جائے گا - ایک نہایت معقول تعداد شریک ہوگی - اگر دو چار سو ایسے اصحاب جن کی تعریف اوپر بیان ہو چکی ہے - ممبروں کی حیثیت سے جلسہ میں آجائیں تو بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ وزیٹروں کی حیثیت سے اِسقدر لوگ اُس جلسہ میں آئینگے جو اَور کسیکو شاید ہی نصیب ہوں کیونکہ ہر مؤلف اور ہر مصنف اور ہر صاحب اخبار اور ہر مقرر اپنا اپنا ایک حلقۂ اثر رکھتا ہے - اور اگر ہر ایک کے دوست اور معتقد اسکی شرکت کی وجہ سے یا اُس کا مضمون سُننے کے لیئے شریک جلسہ ہوں تو ایک غیر معمولی اور پُر رونق مجمع ہوسکتا ہے - اِس کانفرنس کو ہر سال منعقد کرنے اور ملک اور قوم کے بوجھ میں ایک نیا اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں - اِسکا کام اِس قسم کا ہے کہ ایک دفعہ یہ ابتدائی جلسہ پوری شان کے ساتھ منعقد ہو جائے تو اُس سال کے ممبروں میں سے ایک مختصر جماعت (مثلاً ہندوستان کے لیئے پچاس ساٹھ شخصوں کی جماعت) ایسی منتخب کیجا سکتی ہے - جس سے ہر صوبہ - اور ہر ملت کے قائم مقام موجود ہوں - اور ایسی قابلیت اور شہرت کے حضرات انتخاب کیئے جائیں جن پر عام طور سے اعتماد ہو - اور تمام مقاصد کی عملی تعمیل سبھا کی طرف سے اُنکے سپرد کی جائے - اگر ایسی جماعت کا مناسب انتخاب ہو جائے تو وہ جماعت رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں وہ کام کر سکتی ہے جو فرانس میں **اکاڈمی** سے لیا جاتا ہے - یُوں تو کوئی ملک اختلاف تلفظ و محاورہ سے خالی نہیں - فرانس ہی کو دیکھیں تو شمال اور جنوب کی زبان میں بہت فرق نظر آتا ہے - اور شمال کے رہنے والے کو کوئی حق نہیں کہ وہ جنوب والوں سے کہے کہ آپ اپنا محاورہ یا تلفظ جو بچپن سے یاد ہے بھلا دیں - اور شمال کے محاورہ کو اختیار کر لیں -

لیکن اکاڈمی کے ہونے کا اتنا فائدہ ضرور ہے کہ کتابی اور علمی زبان سارے ملک کی ایک ہو گئی ہے۔ اور کتابوں اور تحریروں میں کوئی شخص ٹکسال باہر محاورات سے کام نہیں لیتا۔ اکاڈمی گویا علمی اور ادبی زبان کی ٹکسال ہے۔ تمام مستند کتابیں اکاڈمی کی مُہر لیئے ہوئے نکلتی ہیں۔ اور اکاڈمی سے اُن کا پاس ہونا گویا قبولِ عام کا خلعت ہے۔

ہمارے ہاں اگر کوئی ایسی منتخب جماعت ملک کو منظور ہو سکتی ہے تو صرف یہی صورت ہے کہ اس کا تقرر ایک ایسے شاندار جلسے کی طرف سے عمل میں آئے جو ملک کے ہر حصے کے اہلِ علم و کمال کا جامع اور قائم مقام ہو۔ اور اس ذریعے سے عام رائے یا کثرت رائے اسی انتخاب پر متفق ہو جائے۔ یہ آگے اس منتخب جماعت کا کام ہوگا کہ وہ اپنی کارگزاری کے نتائج سے ملک کو وقتاً فوقتاً مطبوعہ رپورٹوں کے ذریعے سے آگاہ کرتی رہے۔ اور پانچ سال یا دس سال بعد پھر ایک عام کانفرنس یا سبھا منعقد کرے جسمیں اپنی پنجسالہ یا دہ سالہ رپورٹ پیش کرنیکے علاوہ وہ اس امر پر غور کرے کہ ترقی کے باقی مدارج کیونکر طے ہوں۔

کوئی پانچسال ہوئے جب مجھے پہلی مرتبہ اس قسم کی تجویز بہی خواہانِ ملک کی خدمت میں پیش کرنے کا خیال آیا۔ لاہور میں چند دوستوں سے جن میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے۔ اس کا ذکر آیا۔ اُنہوں نے اس خیال کو پسند فرمایا۔ اور سب سے بڑھکر میرے فاضل دوست شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے نے جو اب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹرایٹ لا ہیں۔ اسکے متعلق عملی کام شروع کرنے کی بہت سرگرمی سے آمادگی ظاہر فرمائی۔ اس سے مجھے بہت حوصلہ ہوا اور کچھ دنوں ہم دونوں اس تجویز کی بعض جزئیات پر غور کرتے رہے۔ مگر ہر چیز کے لیئے ایک وقت معین ہے۔ شاید اُس وقت ابھی مناسب وقت نہیں آیا تھا کہ

ہم دونوں کا عزم سفرِ یورپ کا ہوگیا - میں کچھ عرصہ پہلے گیا - اور وہ کچھ عرصہ بعد - اب مجھے واپس آئے کچھ عرصہ ہوگیا ہے - اور وہ بھی اب واپس تشریف لے آئے ہیں اور اس تجویز کی تجدید کا وقت ہے - مجھے کامل امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب ممدوح اب بھی اُسی سرگرمی کے ساتھ اِس کوشش کیلئے آمادہ ہوں گے جیسے اُسوقت تھے اور یہ ظاہر ہے کہ انکی معلوماتِ عامہ - قابلیتِ علمی اور شہرت میں جو اضافہ سفرِ یورپ اور اُن امتیازات سے ہوا ہے جو اُنہیں وہاں حاصل ہوئی ہیں وہ اِس کام میں اور بھی مفید ثابت ہوگا ۔

اِسکے علاوہ میں نے حال میں دہلی - لکھنؤ اور الہ آباد کے بعض علم دوست حضرات سے اِس تجویز کا ذکر کیا تو اُنہیں اسکی طرف مائل پایا - اِسلیئے اب اِسکا اعلانِ عام مناسب سمجھتا ہوں تاکہ اطرافِ ملک سے ملک کے ہمدرد اِسکے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرما سکیں - جو صاحبان مجھے بذریعہ خط و کتابت اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے اُنکا میں ممنون ہونگا - اور جو رائیں اخبارات اور رسائل میں شائع ہونگی - اُن کا بھی شوق سے منتظر رہونگا - کچھ عرصہ کے بعد جو رائیں وصول ہونگی - اُن کا خلاصہ شائع کیا جائیگا - اور اُن سے عام رائے کا جو اندازہ ہوگا - اُسکے مطابق عمل کیا جائیگا - اگر ابنائے وطن نے عام طور پر اِس خیال کو پسند کیا تو فوراً ابتدائی تیاریاں شروع کردیجائینگی - جیسی تیاری میرے خیال میں ایسے جلسے کی پوری کامیابی کے لیے لازم ہے - اِسکے لیے کم از کم ایک سال کا عرصہ درکار ہے اور اِس صورت میں اُردو سبھا کا پہلا جلسہ سنہ ۱۹۱۰ء میں منعقد ہوسکیگا اور اگر ایسا ہوا تو بیسویں صدی کا سنہ دس نہ صرف تاریخ زبان اُردو میں ایک بڑا نشانِ منزل ہوگا - بلکہ خود ہندوستان کی تاریخ میں ایک قابل یادگار واقعہ ہوگا - کیونکہ اتحادِ زبان اتحادِ خیال کا پہلا زینہ ہے - اور اہلِ ملک کو اِس وقت اتحاد کی سخت ضرورت ہے ۔

عبدالقادر

دردِ دل

دنیا ایک مجموعۂ اضداد ہی۔ مگر سچ پوچھئے تو مجموعۂ اضداد ہونیکے باعث ہی اسکی قدر و منزلت ہی۔ دھوپ چھاؤں۔ رات دن۔ گرمی سردی۔ تلخی شیرینی یہ سب وہ چیزیں ہیں کہ ایک کا لطف نہیں حاصل ہوتا جب تک اسکی ضد موجود نہ ہو ہزار آرام و راحت ہو۔ اگر دل لذتِ درد سے آشنا نہیں تو وہی آرام و راحت مساوات ہوکر باعث تکلیف ہو جاتی ہے۔ قلبِ انسانی کا یہ تلون اور طبیعت کی یہ رنگا رنگی واقعی لازمۂ زندگی ہے۔ مگر خدا نہ کرے کسی قلب میں یہ اختلافِ رنگ حد مناسب سے بڑھکر ہو۔ دھوپ کی تیزی اُسیوقت تک گوارا ہوسکتی ہے جب یہ امید بھی ہو کہ کچھ عرصہ بعد چھاؤں کی راحت بھی میسر ہو جائیگی۔ دوا کی تلخی پر جبھی صبر ممکن ہے جب یہ بھی بھروسا ہو کہ کچھ دنوں میں اسکے عوض صحت و تندرستی کا مزا آسکے گا۔

افسوس ہے اُس شخص کی زندگی پر جسکو تمام وسائلِ دنیوی آرام و راحت کے میسر ہیں۔ رہنے کو نفیس پُر تکلف آراستہ پیراستہ مکان ہیں۔ سیر و تفریح کے لیے گل و گلزار۔ کھانے پینے کیلئے انواع و اقسام کے لذائذ۔ پہننے پھاڑنے کیلئے زرق برق ملبوس۔ خدمت کیلیے سیکڑوں خدمتگار اور پرستار۔ مگر ایک جوان بیٹے کا غم! اندر ہی اندر اُسکے دل کو کھائے جاتا ہے اور کسی نعمت سے اُسے فائدہ اُٹھانے نہیں دیتا۔ جہاں بیٹھتا ہے جس طرف کو نکلتا ہے۔ جوان بیٹے کی تصویر ہر وقت اُسکے پیش نظر رہتی ہے۔ انجمن میں ہے۔ مگر انجمن سے الگ۔ محفل میں ہے مگر محفل سے کوسوں دور۔ اُف۔ اُس بیکس نوجوان بیوہ کی حالت جسکا شوہر عین عالمِ شباب میں اُسکو داغِ مفارقت دیگیا ہو۔ جسکو ہر وقت وہ گھڑی خیال رہتا ہو کہ اُسکی زندگی کا سہارا۔ اُسکی پشت و پناہ۔ اُسکی محبت و الفت کا خزینہ

ہمیشہ کیلئے اُس سے چھین لیا گیا۔ سہیلیاں ہزار سمجھائیں اعزہ و اقارب لاکھ تسلی و تشفی دیں۔ اسکا دل ہی کہ کیسکے سمجھانے اور تسلی و تشفی دینے سے تسکین نہیں پاتا۔ کنبہ میں بیاہ شادی کا سامان ہی۔ مگر اُسپر اس چہل پہل کا اُلٹا یہ اثر کہ اپنے ارمانوں اور آرزوؤں کے ماتم میں مصروف ہی۔ کیسکے ہنسانے سے مجبوراً ہنس دیتی ہے اور پھر اپنے خیالات میں غرق ہو حیف اس نوجوان امیر زادہ کے حالات پر جسکو با آرام زندگی بسر کرنیکے کل سامان حاصل ہیں روپیہ پیسہ عزت حکومت مکان باغات صحت تندرستی سب کچھ ہی مگر ایک غم کہ اُس کی ان تمام راحتوں کا کوئی شریک۔ اسکی پُر لطف زندگی کا کوئی رفیق۔ اُسکی گوناگوں آرزوؤں کی واحد امیدگاہ۔ اُسکی الفت و محبت کا مرجع۔ اُسکے دل کی راحت اُسکا چین اور اُسکا آرام گھر نہیں۔ دوستوں سے ملتا ہی مگر بے پروائی سے محفلوں میں شریک ہوتا ہی مگر مُردہ دلی کے ساتھ چلتا پھرتا ہے مگر ایک افسردگی کا گہرا اثر ساتھ لیے ہوئے۔ احباب اس فکر میں ہیں کہ رقص و سرود سے اسکا دل بہلائیں اور اسکے پژمردہ غنچہ دلکو کھلائیں۔ مگر اُسی موسیقی میں جو احباب کے لیے باعثِ نشاط ہی اسکی پریشانی اور آزردگی کے اسباب موجود ہیں۔ اور وہی غذا جو اوروں کے لیے باعث تقویت ثابت ہو رہی ہی اسکے لیے زہر ہلاہل ہی۔ سیر کو نکلتا ہی تو باغ و راغ اُسکی نظروں میں خار معلوم ہوتے ہیں۔ گھر میں بیٹھتا ہی تو گھر باوجود اپنی آرام و آسائش کے کاٹ کھانیکو دوڑتا ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہی کہ رنج و راحت کی تقسیم ہر بشر کو برابر برابر کیگئی ہے ورنہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مبدء حقیقی اصولِ عدل سے معرا ہی۔ مگر یہ معتقدات ہیں۔ مشاہدہ ان امور کی تائید مشکل سے کر سکتا ہی۔ نہ کوئی پیمانہ ہمارے پاس ایسا موجود ہی جس سے ہر شخص کی مقدار رنج و راحت کو ناپ کر ہم کوئی حکم لگا سکیں ؎ قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے جس چیز کے جو شخص کہ قابل نظر آیا ٭ بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا ٭ غم ہمکو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا ٭

بعض ناصح کہتے ہیں کہ انسان کو ہر حال میں صابر و شاکر رہنا چاہیے۔ اور ایسا کرنا ہر انسان

روح کی بیداری

گذشتہ اشاعت سے آگے

ہرنی کی تربیت

پہلی روایت کے مطابق (اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے) حی ہرنی کا دودھ پی پی کر پرورش پاتا رہا یہانتک کہ دو سال کا ہوگیا۔ رفتہ رفتہ اُس نے قدم اٹھانا اور چلنا شروع کیا۔ اور آگے کے دانت نمودار ہوئے۔ جب اچھی طرح چلنے پھرنے لگا تو ہر وقت ہرنی کے ساتھ ساتھ رہنے لگا۔ اس وحشی کو اُس سے وہی اُنس اور مامتا تھی جو ماں کو بچوں سے ہوتی ہے۔ ہر وقت اُسکی حرکات اور سکنات کی نگرانی کرتی تھی۔ ایسے مقامات پر جہاں میوہ دار درخت ہوتے لے جاتی تھی اور جو میٹھے اور پکے پھل درختوں سے ٹپکتے تھے اُس کو کھلاتی تھی۔ اگر چھلکا سخت ہوتا تو اپنے دانتوں سے توڑ کر دیتی تھی۔

بھوک لگتی تو اپنا دودھ پلاتی۔ پیاس لگتی تو کسی شفاف چشمے کے پاس لے جاتی۔ سورج کی کرنوں سے اذیت ہوتی تو اپنے سایہ میں لے لیتی۔ سردی لگتی تو آغوش محبت میں لے کر گرم کرتی تھی۔ شام کو اپنے ساتھ ساتھ مسکن پر لے آتی تھی۔ سمندر کے نذر کے وقت وہ جن پروں پر صندوق میں لٹایا گیا تھا اُن میں سے تھوڑے سے باقی تھے ان کا بستر کر کے اپنے سینہ کی گرمی میں آرام چین سے سلاتی تھی۔ خواہ یہ دونوں صبح کو پھرنے نکلتے یا شام کو اپنے مقام پر پلٹ کر آتے ہرنوں کا ایک غول ہر وقت انکے ہمراہ ہوتا تھا اور رات کو بھی ساتھ ہی بسر کرتا تھا۔

جانوروں کی آوازوں کی نقل

چونکہ حی کو نہایت تیز سمجھ عطا ہوئی تھی اُس نے اِن وحشیوں میں رہتے رہتے بہت جلد آوازیں سیکھ لیں اور ایسی ٹھیک نقل کرنے لگا کہ اصل و نقل میں فرق کرنا دشوار تھا۔ بلکہ اور جس چرند پرند کی آواز کان میں آتی اُسکی ایسی نقل اُتارتا کہ بالکل اصل سے ملتی جلتی ہوتی۔ ان سب آوازوں میں سے اُسکو زیادہ تر ہرنی کی اُس آواز کی ضرورت ہوتی تھی جو مدد طلب کرنے ساتھیوں کو پاس بلانے یا دور بھگانے کے لئے نکالی جاتی ہے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ جانور بھی مختلف غرضوں اور مقصدوں کے لئے مختلف بولیاں بولتے ہیں[1]۔ غرض وہ ہرنوں کے ساتھ اِس طرح بسر کرنے لگا کہ نہ اُس کو اُن سے ڈر معلوم ہوتا تھا نہ وہ اُس سے کسی قسم کی وحشت کرتے تھے۔

غور و فکر

چونکہ چیزوں کے نظر سے غائب ہو جانے کے بعد بھی اُنکی صورتیں ذہن پر نقش رہتی تھیں۔ اِس کا یہ اثر ہوا کہ وہ بعض کو پسند اور بعض کو ناپسند کرنے لگا۔ جانوروں کی حالت غور سے دیکھی تو اُنکے جسم اُون بال اور مختلف

(۱) مصنف نے اکثر ایک ایک جملہ میں ان مسئلوں کی نسبت جو ہزاروں بڑی بڑی کتابیں لکھے جانے کے بعد بھی حل نہیں ہوئے ہیں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے عقل حیوانی اور عقل انسانی میں آج تک بھی کوئی حد فاصل مقرر نہیں ہوئی ہے ۱۲

قسم کے پروں سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ سینگوں۔ دانتوں۔ کھروں۔ کانٹوں۔ اور ناخنوں وغیرہ ہتیاروں میں سے کسی نہ کسی ہتیار سے مسلح ہیں تاکہ اپنی حفاظت اور دفع مضرت کر سکیں۔ اپنے اوپر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ننگا تھا سست رفتار اور کمزور ہوں۔ کیونکہ جب کبھی وحشیوں میں اور اُس میں پھلوں وغیرہ پر جھگڑا ہوتا تھا۔ تو ہمیشہ اُسی کو دبنا پڑتا تھا۔ وہ پھل اس سے چھین کر لیجاتے تھے۔ اور یہ نہ اُن کا مقابلہ کر سکتا تھا نہ بھاگ کر پیچھا چھوڑا سکتا تھا۔

اسکے علاوہ اُس نے دیکھا کہ ہرن کے بچوں کے جنکے ماتھے اب تک صاف تھے سینگ نکلنے شروع ہوئے۔ اور اگرچہ ابتداءً وہ بھی کمزور تھے اور بہت بھاگ نہیں سکتے تھے مگر تھوڑے ہی عرصہ میں طاقتور تیز رفتار اور چالاک ہو گئے۔ لیکن اُس میں ایسی کوئی صفت بھی پیدا ہوتی نہ معلوم ہوئی۔ ہرچند غور و خوض کیا کوئی سبب اسکا سمجھ میں نہ آیا۔

جن جانوروں میں کوئی عضو کم یا ناقص تھا اُن میں بھی اپنی طرح عاجز کوئی نظر نہ آیا۔ اس بے بسی اور بے پری کے خیال سے اُس کا دل بہت کُڑھا اور سخت افسوس ہوا۔ بہت سے غور و فکر اور پریشانی دماغ کے بعد ایک عالم یاس میں ان سب نقصانوں کے پورا ہونے کے جنکے خیال سے اسقدر تکلیف ہوتی تھی امید ہی چھوڑ دی۔ افسوس اُسے نہ معلوم تھا کہ

مرغکی از بیضہ برون آید و روزی طلبد
آدمی زادہ ندارد خرد و عقل و تمیز
آنکہ ناگاہ کسے گشت بچیزے نرسید
وین بہ تمکین و فضیلت بگذشت از ہمہ چیز

جسم کو چھال سے ڈھانکنا

جب اُسکی عمر سات سال کی ہوئی تو فیصلہ کر لیا کہ اپنی ہی کوشش سے کام

لینا اور اپنی مدد آپ ہی کرنی چاہئے۔ برہنگی سے بچنے کے لئے اُس نے چند چوڑے چوڑے پتے لیکر بعض کو آگے اور بعض کو پیچھے لپیٹا۔ کھجور کے پتوں اور ایک قسم کی گھاس کی پیٹی بنا کر کمر میں باندھی۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ میں پتے مرجھا کر خشک ہو گئے اور جسم پر سے جھڑ پڑے۔

حیؔ اس سے بددل نہ ہوا بلکہ فوراً اور تازہ پتے لے آیا اور اب کی مرتبہ ایک پتہ کو دوسرے پر جما کر دوہرا لباس تیار کیا۔ یہ بھی اگرچہ تھوڑی ہی دیر چلا مگر پہلے سے زیادہ پائدار ثابت ہوا۔

وحشیوں کا مقابلہ

اسکے بعد ایک روز اُس نے ایک درخت کی شاخ توڑی اور چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں کو علیحدہ کرکے دونوں سروں کو سیدھا اور درمیانی حصہ کو صاف کیا۔ اور لٹھ باز خان بنکر اُن وحشیوں پر جو اُسکے مقابلہ کی جرأت کرتے تھے حملہ کرنا اور ڈرانا شروع کیا۔ کوئی قوی جانور حملہ آور ہوتا تو اسی حربہ سے اپنی حفاظت کرتا تھا۔ اب اُسے اپنی قوت کا کچھ کچھ اندازہ ہو چلا اور سمجھا کہ میرا دماغ اِن وحشیوں کے دماغوں سے کہیں افضل ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ سے مجھے اپنی برہنگی کو ڈھانکنے کی تدبیر سوجھی اور اسی نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا ہتھیار بنانا سکھایا کہ اب اُن قدرتی ہتھیاروں کی ذرا بھی ضرورت نہ رہی جنکی اسقدر حسرت تھی۔

عقاب کی کھال کا لباس

پتوں کے لباس کی بار بار مرمت کرتے کرتے تنگ آگیا تو خیال ہوا کہ کسی مردہ جانور کی کھال کے کپڑے بنانے چاہییں مگر جب دیکھا کہ تمام جانور

اپنی جنس کے مردوں سے گھبراتے اور نفرت کرتے ہیں تو اس بُرزہ چرمی لباس کے مفید صحت ہونے کی نسبت شک پڑ گیا۔ آخر ایک مردہ عقاب نظر پڑا جس سے کوئی چوپایہ نفرت نہ کرتا تھا۔ یہ دیکھ کر فوراً دل میں فیصلہ کر لیا کہ اس کی کھال ضرور کام کی ہے۔ بے تکلف بچارے کی دُم اور بازو کاٹ کر پروں کو پھیلایا اور کھال اُتار کر دو برابر حصوں میں تقسیم کی۔ گویا ظہیر فاریابی نے آپ ہی کی شان میں فرمایا تھا کہ ؎

زکرم مردہ کفن برکشی و مے پوشی میان اہل مروت کہ دارد ت معذور

ایک حصہ کو پیٹھ پر اوڑھا اور دوسرے سے پیٹ اور شرمگاہ کو چھپایا۔ دُم کو پیچھے لگا کر دُم کی کسر بھی باقی نہ رکھی اور بازوں کو شانوں پر جما کر قوت بازو بنا لیا

اس پوشاک نے مختلف کام دیئے۔ اول تو داغ عیوب برہنگی کو ڈھانپا اور جسم کو گرم رکھنے میں مدد دی دوسرے تمام وحشیوں کی نظر میں ایسا ہیبت بلکہ لولو بنا دیا کہ مزاحمت تو کیسی کسی کو پاس پھٹکنے کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی۔ صرف دائیہ مشفقہ یعنی ہرنی کی تو البتہ یہ حالت تھی کہ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جلوہ می ساز کہ من آن قد زیبا می شناسم

وہ تو ہر حالت اور ہر لباس میں اُسے پہچانتی تھی۔ کیوں کہ اُن دونوں کی آپس میں محبت کا تو یہ عالم تھا کہ نہ یہ ایک دم اُس سے الگ رہنا پسند کرتا تھا نہ اُسے اسکا ایک لحظہ آنکھ سے اوجھل ہونا گوارا تھا۔ جب وہ بہت بوڑھی اور ضعیف ہو گئی تو حی اُسکو ایسے مقامات پر لے جاتا تھا جہاں بہتر سے بہتر غذا ملتی اور خود میٹھے میٹھے پھل جمع کر کے اُسے لا کر کھلاتا تھا۔

ہرنی کی موت

اس احتیاط اور خبر گیری پر بھی وہ روز بروز دُبلی اور کمزور ہی ہوتی چلی گئی اور آخر ایک روز بالکل بےحس و حرکت ہوگئی۔ یہ دیکھ کر جی کو وہی صدمہ ہوا جو ایک معصوم بچے کو ماں کے مرنے سے ہوتا ہے۔ جس آواز کا وہ ہمیشہ جواب دیا کرتی تھی اُس آواز سے پکارا مگر صدائے برنخاست۔ آخر خوب گلا پھاڑ پھاڑ کے چیخا۔ مگر ہرنی کے جسم کو نہ ذرہ برابر حرکت ہوئی نہ اور کسی قسم کا تغیّر۔

تجربے نے بتا دیا تھا کہ آنکھ بند کر لی جائے یا اُسکے سامنے کوئی اور آڑ آجائے تو آنکھ کے کھلنے یا اُس حائل[۱] کے علیحدہ ہوتے تک کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح اگر اُنگلی کان میں رکھ لیجائے تو کچھ سنائی نہیں دیتا۔ اس سے اسکی سمجھ میں آگیا تھا۔ کہ بہت سی روکیں ایسی ہیں کہ جاندار کے حواس بلکہ اور اعضا کو بھی بیکار کر دیتی ہیں اور جب یہ حائل دور ہو جاتے ہیں تو پھر وہ بدستور سابق اپنا کام کرنے لگتے ہیں۔ لہذا یہ خیال ہوا کہ میری مہربان دایہ کو بھی ایسی ہی روک نے حس و حرکت سے محروم کر دیا ہے۔ اُسے کامل اُمید تھی کہ اگر کسی ترکیب سے اس آڑ کو الگ کر دیا جائے تو میری شفیق پرورش کرنیوالی پھر اُسی طرح گرم جوشی کے ساتھ مجھکو پیار کرنے لگے گی۔ سب سے پہلے کانوں پر شبہہ ہوا کہ شاید ان میں کوئی فتور آگیا ہے اس لیے نہیں سنتی۔ خوب غور سے دیکھا کوئی نقص نظر نہ آیا۔ آنکھوں کو دیکھا تو وہ بھی صحیح سالم ہیں۔ غرض اسی طرح تمام جسم کو خوب دیکھا بھالا اور جب بیرونی حصوں میں کہیں کوئی نقص نظر نہ آیا تو یقین ہو گیا کہ موت کا سبب ضرور کسی اندرونی حصہ میں چھپا ہوا ہے۔

وہ اکثر جانوروں کے جسموں کو دیکھ چکا تھا کہ دور سے جیسے تو ٹھوس اور

۱؎ جو شے دو چیزوں کے بیچ آجائے ۱۲

ضبوط ہیں صرف کھوپڑی، سینہ اور پیٹ خالی اور کمزور ہیں۔ اسلئے ذہن
ں آیا کہ جس حصہ کی حالت میں دریافت کرنا چاہتا ہوں وہ ضرور انہیں
الی مقامات میں سے کسی میں ہے۔ اور ان تینوں میں سے بھی دل خود
ود گواہی دیتا کہ ہو نہ ہو درمیانی حصہ میں ہو۔

اس طرح استدلال کرتے کرتے جب یقین ہو گیا کہ سبب موت سینہ
ں دفن ہے تو اس صندوق کے کھولنے کا ارادہ کیا۔ خشک بید اور چقماق
کے چند ٹکڑے بہم پہنچا کر جو تقریباً مثل چاقو کے تیز تھے، پسلیوں کے درمیان
شگاف دیا اور گوشت کو چیر کر حجاب الصدر[۵] کے پاس پہنچا۔ اور جب یہ سخت
علوم ہوا اور آسانی سے نہ پھٹا تو یقین ہو گیا کہ یہ مضبوط غلاف ضرور اسی
شریف عضو کا ہوگا جس کی میں تلاش کر رہا ہوں۔ بڑی کوشش کے بعد
سکے پھاڑنے میں کامیابی ہوئی تو سب سے پہلا عضو جو نظر پڑا وہ پھیپڑا
تھا۔ اسکے بعد دل نظر آیا جو ایک مضبوط غلاف میں لپٹا ہوا تھا قوی بندشوں
سے بندھا ہوا تھا اور مزید احتیاط کی غرض سے ایک جھلی کی حفاظت میں تھا
سلیوں کے اندرونی پہلو پر بھی چونکہ ویسی ہی جھلی پائی گئی اور پھیپڑا دوسری
جانب بھی اسی وضع سے دکھائی دیا تو سمجھا کہ جس عضو کی مجھے جستجو ہے وہ
یقیناً دل ہے جو بیچوں بیچ ہے مگر دیکھتا ہے تو کوئی نقص یہاں بھی نہیں۔
ب تو سخت حیران ہوا کہ کیا کرے۔ آخر بہت سی دماغ سوزی کے بعد خیال
ہوا کہ کوئی پوشیدہ چیز اس گھر میں رہتی ہوگی جو تباہی اور بربادی سے
پہلے سے مکان خالی کر کے چلی گئی ہے۔ یہی "یوسف گم گشتہ" ان تمام چیزوں
کا منشا تھی جن سے ہرنی اپنی شفقت یعقوبی کو مجھ پر ظاہر کرتی تھی۔ اس خیال کا

۵ سینہ کا پردہ یا جھلی ۱۲

آنا تھا کہ جسم بالکل نظروں سے گر گیا اور مثل اُس لاٹھی کے جس سے وہ وحشیوں کا مقابلہ کرتا تھا محض ایک آلہ معلوم ہونے لگا۔

ہرنی کا دفن

انہیں بے کار کوششوں میں جب کئی دن گذر گئے تو ہرنی کا جسم پھول کر سڑنے لگا اور ایسی بدبو پیدا ہوئی کہ پاس ٹھہرنا محال ہو گیا۔ اب تو حضرت بھی گھبرائے محبت اور حکمت دونوں کافور ہو گئیں۔ بُو نے یہ زور باندھا کہ پاس جانا تو درکنار مردہ کی طرف نظر اُٹھانا بھی ناگوار ہونے لگا۔ کچھ عقل کام نہ کرتی تھی کہ اس لاش کا کیا کرنا چاہیے۔ یہ اسی فکر میں کھڑے سر کھجا رہے تھے کہ دو کوّے لڑتے ہوئے آئے۔ اِن میں سے ایک نے غالب آ کر اپنے مخالف کو مار ڈالا اور پنجوں سے زمین کھرچ کر ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ یہ دیکھ کر وہ دل میں کہنے لگا کہ اِس کوّے نے بہت بُرا کیا کہ اپنے ساتھی کو مار ڈالا مگر نہایت اچھا کیا کہ اُسکو دابدیا۔ کیسی شرم کی بات ہے کیا میں اِس کوّے سے بھی گیا گزرا کہ اپنی پالنے والی کے جسم کے ساتھ یہ بھلے سے بھی سلوک کرنے کا خیال نہ آیا۔ غرض کوّے کی دیکھا دیکھی اس نے بھی ایک گڑھا کھود ہرنی کی لاش کو دفن کیا۔ اور اوپر سے مٹی ڈال کر اچھی طرح دبا دیا۔[۵]

(۵) یہ قصہ ہابیل قابیل کی حکایت سے لیا گیا ہے۔ یہ دونوں حضرت آدم کے بیٹے تھے۔ قابیل ہابیل کو مار کر کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ اتنے میں فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَاباً یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَہٗ کَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَۃَ اَخِیْہِ قَالَ یٰوَیْلَتٰی اَعَجَزْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ ہٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَۃَ اَخِیْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ خدا نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اُسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی برہنگی کو کسطرح ڈھانکنا چاہیے اُس نے کہا افسوس ہے مجھ پر کہ میں اس کوّے کی مثل بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی برہنگی کو چھپا دیتا۔ اسلئے وہ نادم ہوا۔

اس کار خیر سے فارغ ہوا تو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ آخر اس مکان یعنی جسم میں کیا چیز رہتی تھی اور کیوں اس کو چھوڑ کر چلی گئی۔ ہر چند سوچا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ پھر خیال آیا کہ اور ہرنوں کی شکل بھی تو میری دایہ ہی کیسی ہے۔ اس لئے جو چیز اسکے جسم پر حاکم اور حس و حرکت کا باعث تھی وہی ان کے جسموں پر بھی حکومت کرتی ہوگی اس مشابہت نے ایسا دل پر اثر کیا کہ ہرنوں کی صحبت میں ایک خاص لطف آنے لگا اور ہر وقت ان کے ساتھ ساتھ رہنے لگا۔

ہم جنس کی تلاش

ایک عرصہ تک اسی طرح ہرنوں کے ساتھ جنگل میں پھرتے پھرتے جانوروں اور درختوں کی ماہیت کو سوچنا شروع کیا۔ ان میں سے اکثر کی شکلیں ملتی جلتی نظر آئیں تو اپنے ہم صورت کی تلاش ہوئی۔ تمام جزیرہ چھان ڈالا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر اسی جستجو میں سمندر کے کنارے گشت لگانا شروع کیا۔ مگر گوہر مقصود یہاں بھی ہاتھ نہ آیا یعنی تمام سعی و تلاش اکارت گئی اور انسان کی صورت کہیں بھی نظر نہ آئی۔ اتنا تو البتہ ہوا کہ ساحل پر گردش کرتے وقت چونکہ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی سوائے پانی کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اسلئے خیال ہوا کہ اس جزیرہ کے سوا شاید دنیا میں کہیں خشکی سے ہی نہیں۔ پس اگر اس جزیرہ میں میرا ہم صورت نہیں تو کہیں بھی نہیں۔ کوشش بے سود سے ہاتھ اٹھانا چاہیے۔

بانسوں کی رگڑ سے آگ کا پیدا ہونا

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ہوا زور سے چلی اور بانسوں کے ایک جھنڈ میں رگڑ سے

آگ لگ گئی۔ چونکہ اس سے پہلے کبھی کوئی ایسی چیز نہ دیکھی تھی۔ اول تو اُسکو ڈر معلوم ہوا اور دیر تک دور کھڑا تعجب کرتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ پاس آیا۔ اُسکی براقی سے اور اُس حیرت خیز قوت سے جو ہر ایک اس سے مس کرنے والی چیز کو مشتعل کرکے اُسکا ہمرنگ بنا لیتی تھی نہایت حیرت ہوئی۔ آخر ایک عالم مدہوشی میں اُس ہمت اور جرأت کی تحریک سے جو خدا نے اُسکو عطا کی تھی اِسکی طرف ہاتھ بڑھانے اور پکڑ لینے کا ارادہ کیا۔ مگر ہاتھ لگانا تھا کہ انگلیاں جھلس گئیں۔ سچ کہا ہے کہ آدمی سیکھتا ہے کچھ کھو کے۔ اب سمجھ میں آیا کہ یہ اِس طرح بے تکلف پکڑ لینے کی چیز نہیں۔ فوراً عقل خداداد نے مدد کی اور یہ تدبیر سوجھی کہ ایک درخت کی جلتی ہوئی شاخ کے اُس سرے کو جسپر آگ نے ابھی تصرف نہیں کیا تھا پکڑ کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور مسکن پر لے آیا۔ یہاں رات دن اسکی غور و پرداخت کرنے لگا۔ رات کے وقت تو وہ خاصکر بہت ہی مفید ثابت ہوئی کیونکہ اُسکی روشنی اور حرارت نے آفتاب کا کام دیا۔ اس سے اُسکو ایسی خوشی ہوئی کہ کھالوں میں پھولا نہ سماتا تھا اور جزیرہ کی تمام چیزوں سے اُسکو افضل اور عزیز سمجھنے لگا۔

اسکا میلان اوپر کی جانب دیکھ کر یقین ہو گیا کہ یہ بھی انہیں روشن چیزوں میں سے ہے جنکو میں آسمان پر دیکھتا ہوں۔ اب یہ سوجھی کہ اسکی قوت کو آزمانا چاہیے

لہ آگ کے پیدا ہونے کے متعلق ہر پرانی قوم اور ملک میں ایک نئی ہی کہانی گڑھی گئی تھی اور ابتدا ہر ملک میں اسکی پرستش ہوئی۔ مصنف نے ان کہانیوں کو گویا مہمل ثابت کرنے ہی کی غرض سے اس نورانی جوہر کے ظہور کو ایک معمولی تجربہ کی شکل میں بیان کیا ہے جو کہ استعجاب و آگ کے فوائد کی مفصل کیفیت لکھکر بتا دیا ہے کہ آتش پرستی جہاں کہیں بھی ہوئی انہیں دو وجہوں سے شروع ہوئی بعد ازاں اسکے پوجاریوں نے اپنی ایک ماغی کمزوری کو چھپانے اور ایک نامعقول کام کو معقول ثابت کرنے کے لئے اس کو مذہبی کہانیوں کے ذریعہ سے جوہر آسمانی اور نور یزدانی بتایا۔ وہم فی ضلال مبین ۱۲

دیکھیں کونسی چیزوں کو جلاتی ہے اور کونسی چیزیں اسکے اثر سے محفوظ رہتی ہیں چنانچہ مختلف قسم کے جسموں کو اسپر ڈال کر دیکھا مگر اس نے خشک و تر سب ہی کو بس و بیش سوختنی بنالیا۔ اور کھالیا۔ اتنا تو ہوا کہ اختلاف طبیعت کے سبب کوئی جلد اور کوئی ذرا دیر میں جلا۔

انہیں تجربوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ چند مچھلیاں جن کو سمندر نے کنارے پر پھینکدیا تھا اس میں ڈالیں۔ یہ بھنیں تو ایسی عمدہ خوشبو نکلی کہ بے اختیار کھانے کو جی چاہا منہ میں پانی بھر آیا۔ مگر احتیاط مانع تھی۔ آخر نہ رہا گیا ایکبار جی کڑا کرکے چکھ ہی لیا۔ چکھنا تھا کہ چودہ طبق روشن ہوگئے۔ خوشی کا تو پوچھنا ہی کیا ہے مگر ساتھ ہی افسوس بھی تھا کہ ابتک اس نعمت سے کیوں محروم رہا۔ دوسرے جانوروں کے گوشت کھاکر دیکھے تو ایک سے ایک لذیذ۔ غرض کہ چاٹ لگی تو لگی مصرع

چھٹتی نہیں ہے منہہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اب دوسری غذا کب بھاتی تھی۔ آخر مچھلی اور گوشت کھانے کی عادت ہوگئی۔ اور چونکہ اس کے لئے مچھلی پکڑنا اور جانوروں کا شکار کرنا ضروری تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں کاموں میں بھی پوری مہارت ہوگئی۔

جب آگ نے یہ لذیذ لطیف بلکہ نورانی غذائیں کھلائیں تو اُسکی قدر و منزلت روز بروز زیادہ ہی ہوتی چلی گئی۔

جانوروں کی کھالوں کے جوتے اور کپڑے

جب اُسکی عمر اکیس برس کی ہوئی تو آسائش و آرام کی بہت سی چیزیں دریافت کرچکا تھا جن جانوروں کو کھانے کے لئے شکار کیا تھا اُنکو تو خون کی شرکت کا شرف عنایت ہی ہوچکا تھا۔ اب اُنکی کھالوں کو بھی معانقہ اور قدمبوسی کی عزت سے

محروم رکھنا گوارا نہ ہوا اسلئے ان کے کپڑے اور جوتے بنائے۔ اُون اور درختوں کی چھال کے ریشوں کا ڈورا بنا (قبل ازیں گھاس اور پتوں کا جو رسا بنا چکا تھا اُسی سے اب ڈورا بٹنے کی تدبیر سوجھی) بید کی چھپٹیوں کو تھرے تیز اور نوکدا بنا کر اور مضبوط کانٹے نے کر ایک قسم کا سوا تیار کیا۔

عمارت

پرندوں کے گھونسلے دیکھ دیکھ کر فن عمارت کی شُدبُد ہوئی تو ایک کمرہ خواب و آسائش کے لئے ایک کوٹھری سامان کے لئے اور دوسری بطور نعمت خانہ کے بچی ہوئی غذا کو حفاظت سے رکھنے کیلئے بنائی۔ بید کو گوتھکر کواڑ بنا کر دروازوں میں لگائے کہ غیبت میں کوئی جانور گھسنے نہ پائے۔ شکار کی غرض سے چند شکاری جانور اور انڈے بچوں کی غرض سے بعض دوسرے جانور پالے۔ جانوروں کی کھالوں کو تہ کرکے اور تہ بتہ جما کر ایک ڈھال تحفظ کے لئے تیار کی۔ اب مصنوعی ہتیاروں نے قدرتی حربوں سے بالکل بے نیاز کر دیا۔

گھوڑے کی سواری

جب دیکھا کہ میرے ہاتھ اُن سب حربوں کا جنسے قدرت نے بمصلحت مجھے محروم رکھا ہے، نعم البدل[1] ہوگئے۔ کسی جانور کو میرے مقابلہ کی ہمت نہ رہی بلکہ سب ڈرتے اور بھاگتے ہیں اور صرف تیز رفتاری سے جان بچائے جاتے ہیں تو فکر ہوئی کہ زمین کی طنابیں کھینچنے کی بھی کوئی تدبیر نکالنی چاہئے اور تیز رفتاری میں بھی ان وحشیوں کو نیچا دکھانا چاہئے۔ آخر ذہن لڑا سوجھی اور نہایت پولیٹیکل

---

[1] اچھا بدل ۱۲

چال سوجھی کہ انہیں میں سے کسی سب سے طاقتور اور چالاک جانور کی مدد سے اوروں سے بازی جیتنی چاہیئے۔ یعنی کسی باد پا کو پکڑ کر عمدہ عمدہ غذائیں کھلا کر اور بہلا پھسلا کر ایسا ہلا ملانا چاہیئے کہ اپنی پیٹھ پر سوار ہونے دے (حضرات ملاحظہ ہو! کچھ اسی زمانہ کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ مہذب وحشیوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی سلوک کرتے آئے ہیں) جزیرہ میں گھوڑے اور گدھے بکثرت تھے ان میں سے جو زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوئے منتخب کر لئے اور اس طرح تعلیم اور تربیت کی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں پورے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔ باگوں اور زین کا کام انہیں جانوروں کی کھالوں سے لیا جن کو شکار کر چکا تھا۔ جب سواری کی خوب مشق ہو گئی تو جن جانوروں کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکتا تھا اُن کا تعاقب اور گرفتار کرنا ایک کھیل ہو گیا۔

انہیں ایجادوں کے زمانہ میں وہ علم تشریح[1] بھی نہایت شوق حاصل کرتا رہا۔ جانوروں کے جسموں کے مختلف حصوں کی خصوصیتوں اور فرقوں کو نہایت تحقیق سے دریافت کرتا چلا گیا۔ (اور نہیں تو اس زمانے کے طبیبوں سے تو زیادہ ہی واقفیت حاصل ہو گئی ہو گی۔

جسموں کی ماہیت

اسکے بعد اُس نے اُن جسموں کی ماہیت پر غور کرنا شروع کیا جن میں کون و فساد (بننا اور بگڑنا) پایا جاتا ہے جیسے مختلف قسموں کے جانور درخت پتھر زمین پانی بھاپ برف اُولا دھواں اور آگ وغیرہ۔

ان سب میں مختلف صفتیں اور کثرت سے حرکتیں اور فعل نظر آئے۔ جو

[1] وہ علم ہے جسکو ڈاکٹروں کی اصطلاح میں اناٹومی کہتے ہیں۔ ۱۲

جو بعض حیثیتوں سے متفق اور بعض لحاظوں سے مختلف تھے۔ اُس نے دیکھا کہ جہانتک اتفاق رہتا ہے وہاں تک تو سب چیزیں ایک ہی ہیں۔ اختلاف شروع ہوا کہ کثرت ظاہر ہونے لگی۔ شعر

پردہ کو تعین کے درِ دل سے اُٹھادے
کُھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہان کا

اپنی نسبت تو اُس کو یقین تھا کہ میری روح یا میں ایک ہی ہوں کیونکہ میرے وجود کی اصل ماہیت وہی ہے جسکو میں مَیں کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں باقی جو کچھ ہے اُسکا ایک آلہ ہے۔

جانوروں پر بھی تحقیق کی نظر ڈالی تو دیکھا کہ حس[۵۷]۔ نمو[۵۸]۔ اور حرکت بالارادہ[۵۹] سب میں عام ہیں۔ سمجھ میں آگیا۔ کہ یہی تینوں ملکر روح حیوانی کی ماہیت ہیں باقی چھوٹی چھوٹی باتیں جن میں وہ ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں اس روح سے کوئی تعلق لازمی نہیں رکھتیں۔ یعنی روح حیوانی تو ایک ہی ہے اختلاف طبایع سے بعض صفتوں میں مختلف نظر آتی ہے۔ غرضکہ باوجود بیشمار اختلافات کے وحدت کا جلوہ یہاں بھی صاف دکھائی دینے لگا۔

درختوں کی طرف نگاہ کی تو ہر ایک نوع[۶۰] کے افراد شاخوں پتوں اور پھلوں کے لحاظ سے مشابہ ہیں اور قبول غذا اور نمو کی صفتیں سب میں عام ہیں یعنی آفتاب

---

[۵۷] حواس کے ذریعہ سے معلوم کرنے کی قوت ۱۲

[۵۸] بڑھنا ۱۲

[۵۹] خواہش کے موافق حرکت کرنا ۱۲

[۶۰] ہر ایک قسم چیزوں کے اپنے سے اوپر اور بڑی قسم کے لحاظ سے نوع اور اپنے سے نیچے اور چھوٹی قسموں کے لحاظ سے جنس کہلاتی ہے مثلاً انسان حیوان کی ایک نوع ہے مگر عورت و مرد کے لحاظ سے جنس ہے

وحدت کا مطلع یہاں بھی بالکل صاف ہے۔

اب ان جسموں کی طرف توجہ کی جن میں مذکورہ بالا صفتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی یعنی نہ حس ہے نہ قبول غذا نہ نمو جیسے پتھر زمین پانی ہوا آگ وغیرہ۔ غور کیا تو عام صفات سے یہ بھی خالی نہیں کیونکہ ابعاد ثلثہ[1] یعنی لمبائی چوڑائی اور گہرائی ان میں بھی مشترک ہیں اور اختلافات صرف یہ ہیں کہ بعض رنگین تو بعض سادہ کچھ گرم تو کچھ سرد ہیں۔ اور اسی قسم کے چند اور بے حقیقت اختلاف ہیں۔ تجربہ بتا چکا تھا کہ گرم جسم سرد اور سرد جسم گرم ہو جاتے ہیں۔ پانی تبخیر ہو کر بھاپ اور بھاپ غلیظ ہو کر پھر پانی بنجاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی چیز جلائی جاتی تو دھوئیں کوئلہ اور راکھ سے بدل جاتی ہے اور دھوئیں کو اوپر چڑھنے سے روکا جائے تو جو چیز حائل ہو اسکو چمنکر کاجل ہو جاتا ہے۔ اسلئے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام اختلافات محض نمائشی اور بے ثبات ہیں نہ داخل ذات۔

ان تمام مقدمات کا لازمی نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ حیوانوں اور درختوں کی طرح اور سب جسم بھی وحدت کا مظہر ہیں اور کثرت و اختلاف بالکل اعتباری۔

باقی دارد۔

کرکٹ اور فٹ بال

آجکل انگریزی خواں اصحاب میں کرکٹ اور فٹ بال کا بہت چرچا ہے۔ کوئی سکول یا کالج ایسا نہیں جس میں کرکٹ ٹیم نہ ہو۔ اسکے علاوہ پرائیوٹ ٹیمیں بھی جا بجا بڑے بڑے شہروں میں نظر آتی ہیں۔ بعض بعض والیان ملک

[1] لفظی معنی تینوں دوریاں ۱۲

بھی اسکی طرف توجہ ہو گئی ہے۔ چنانچہ مہاراجہ پٹیالہ کی ٹیم نے ایک زمانے میں بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ مہاراجہ کشمیر کی ٹیم میں بھی اچھے اچھے کھیلنے والے موجود ہیں۔ پرنس رنجیت سنگھ جی کی ٹیم اور بمبئی کے پارسیوں کی ٹیم سے بھی ہر ایک شخص واقف ہے۔

ان کھیلوں سے فائدے بھی بہت ہیں ڈیوک آف ولنگٹن کا قول ہے کہ مجھے فرانس میں جو فتوحات حاصل ہوئیں۔ وہ انہیں کھیلوں کی بدولت حاصل ہوئیں۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ انہیں کھیلوں کی بدولت اسکے فوجی افسروں نے اپنی پوری طاقت کو کام میں لانے کا سبق حاصل کیا۔ انہیں کھیلوں نے اِن میں جرأت اور مردانگی کی روح پھونکی۔ اور انہیں کھیلونکی بدولت اُنھوں نے ایک دوسرے کی مدد کرنا اور جب تک فتح پانے کی ذرا سی بھی اُمید باقی رہے ہمت نہ ہارنا سیکھا۔

ان کھیلوں نے انگریزوں کو صرف میدان جنگ میں ہی فتوحات حاصل کرنا نہیں سکھایا۔ بلکہ یہ بھی سکھایا کہ امن و آسایش کے زمانے میں بھی کامیابی کا انحصار بہت کچھ اِن کھیلوں پر موقوف ہے۔ دنیاوی معاملات میں ہر ایک شخص کو اپنے حریف پر سبقت حاصل کرنے کیلئے ایک طرح کی لڑائی پڑتی ہے۔ ایسے موقعوں پر کامیابی حاصل کرنے کا بڑا گر یہ ہے کہ آدمی ہمت اور استقلال کو ہاتھ سے نہ دے اور یہ سبق انہیں کھیلوں سے آدمی سیکھتا ہے۔

کرکٹ اور فٹ بال میں ہر شخص کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ ہماری ٹیم دوسری ٹیم پر فتح حاصل کرے اِس مدعا کے حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ دونو پارٹیوں کے لوگ متفقہ کوشش کریں اور اپنی اپنی پارٹی کیلئے جان توڑ کر لڑیں اور ذاتی معاملات کی مطلق پروا نہ کریں۔ کرکٹ کھیلنے میں ہر

ایک پارٹی کا کپتان اپنی اپنی ٹیم والوں کو خاص خاص کاموں پر متعین کرتا ہے۔ جو شخص اپنے کپتان کے احکام کی متابعت نہ کرے اُسے ٹیم سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُس میں ٹیم کا ممبر بننے کی قابلیت نہیں ہے فٹ بال کھیلنے میں ٹیم کے ہر ممبر کے لئے کھیل کے میدان میں ایک خاص جگہ معین کی جاتی ہے۔ اور وہ ایک خاص کام پر مقرر کیا جاتا ہے۔ اچھے کھلاڑی بے سوچے سمجھے فٹ بال کے پیچھے نہیں ڈورتے پھرتے اور نہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ جس قدر زیادہ ٹھوکریں وہ لگا سکتے ہیں لگائیں۔ بلکہ اچھے کھلاڑیوں کا یہ فرض ہے کہ جب اِن کے پاس گیند آئے تو اِس خوش اسلوبی سے ٹھوکر لگائیں کہ گیند اپنی ہی پارٹی کے ممبروں میں ایک شخص سے دوسرے شخص کو پہنچتی رہے۔ اور مخالفوں کے قبضے میں نہ جائے۔ یہ بات اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ٹیم کے ممبر متفقہ کوشش نہ کریں۔

ہر کام کے کرنے کے لئے ایک ضابطہ ہوتا ہے۔ اِن کھیلوں کے بھی ضابطے اور قواعد مقرر ہیں۔ ٹیم کے ہر ایک ممبر کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اِن ضوابط اور قواعد کی ایمانداری کے ساتھ پابندی کرے یہ اصول ایسا ضروری ہے جو انسانیت کا اصل جوہر پیدا کرتا ہے اور انسان کو انسان بناتا ہے۔ اِن کھیلوں میں اگر کوئی جھگڑا پیدا ہوتا ہے تو اُسکا فیصلہ امپائر کرتا ہے۔ اور یہ فیصلہ بمنزلہ قانون سمجھا جاتا ہے۔ کوئی پارٹی یا پارٹی کا ممبر اُسکے احکام کے خلاف ورزی کرنے کا مجاز نہیں۔ تمدن کا دارومدار اِسی اصول پر ہے اگر ہر شخص خود رائی کرے اور اپنی گورنمنٹ کے احکام کی متابعت نہ کرے تو سلطنت کے کاروبار کس طرح چلیں۔ تمام ملک میں بغاوت پھیل جائے امن و آسائش میں فتور پڑ جائے۔

بڑے بڑے کارخانوں میں یہ دستور ہے کہ جب مالک اور اسکے ملازموں میں مزدوری یا تنخواہ کی نسبت کوئی تنازع ہوتا ہے تو دونوں فریق کسی معزز شخص کو جس پر اُنہیں اطمینان ہوتا ہے پنچ مقرر کرتے ہیں۔ یہ شخص کارخانہ دار کے حساب و کتاب کو جانچتا ہے۔ اور اسکی مالی حالت پر غور کرتا ہے۔ پھر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ جو مزدوری یا تنخواہ کارخانے کے آدمیوں کو دی جاتی ہے اس میں اضافے کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اور جو فیصلہ وہ کر دیتا ہے اُسے کارخانے کے سارے ملازم و مزدور بخوشی منظور کر لیتے ہیں۔ یہ صورت اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ کارخانے والے کام چھوڑ کر بیٹھ رہیں اور زیادتی تنخواہ کے واسطے اپنا بھی نقصان کریں اور مالک کو بھی نقصان پہنچائیں۔

اِن کھیلوں کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ کھیلنے والوں کو اپنا مزاج قابو میں رکھنا سکھاتے ہیں۔ جو شخص کھیل کے وقت اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا وہ یقیناً شکست پاتا ہے اور اُسکے ساتھی اُسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ ایک اور بات قابل ذکر یہ ہے۔ کہ اگر ہمیں شکست ہو جائے تو کبھی چڑچڑا پن ظاہر نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ اپنی شکست کو نہایت خندہ پیشانی صبر اور استقلال سے برداشت کرنا ہمارا عین فرض ہے۔ اگر یہ جوہر ہم میں بچپن سے پیدا ہو جائے گا تو آیندہ عمر میں اپنی تکالیف اور ناکامیوں کو آسانی سے برداشت کر سکیں گے۔

عبداللہ خان

لکشمی جی کی پوجا

میرے دل کو ابتدا سے ہندو قوم اور ہندو دھرم کی بعض بعض ادائیں بھلی معلوم ہوتی رہی ہیں۔ نہ اس وجہ سے کہ میں اس قوم کا ایک فرد ہوں یا مجھے اہل ہنود کی کچھ حمیت رہی ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ وہ بعض ادائیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے واقعی ادائیں ہیں اور دلکش ادائیں۔ ہندو قوم کی اکثر رسمیات اور خیالات یونانیوں کے رسمیات اور خیالات سے ملتی ہیں جس طرح یونانیوں نے بعض صفات اور قویٰ کو مجسم قرار دیکر اُن کو واضح طور پر سمجھا ہے اور اوروں کو سمجھایا ہے۔ اُسی طرح ہندوؤں نے بھی کیا ہے۔ مورخ اور زباندان لوگ جس طرح چاہیں بعض اُمور کی مماثلت سے دونو نامبردہ قوموں میں ربط قائم کریں۔ میرے نزدیک خیالات اور رسمیات کی مماثلت بجائے خود اِن دونو قوموں کے ایک ہونے کا داخلی ثبوت ہے۔ معلوم نہیں یونانیوں نے دولت کی دیوی اور قسمت کی پری کا نام کیا رکھا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں اسکو لکشمی کہتے ہیں۔ اور اگر اسم کا موسوم کی خوبیوں پر کچھ اثر ہوتا ہے تو یہ نام دولت کے لئے کچھ کم موزوں نہیں ہے۔

ہندوں کے تہوار طرح طرح کے ہیں۔ بعض کا تعلق موسموں سے ہے۔ بعض بزرگانِ دین یا دھرم آتماؤں کے لئے مخصوص ہیں۔ اور بعض میں کوئی اور خصوصیت پائی جاتی ہے۔ دیوالی اُن تہواروں میں ہے جن کا تعلق شاعری سے ہے۔ دیوالی بارہا دیکھی۔ چراغاں کی سیر اکثر کی۔ مکانوں اور کوچہ ویراں کی رونق کے لطف بہت دفعہ اُٹھائے۔ مگر وہ خاص رسم جو اِس دلچسپ تہوار کی بنیاد ہے۔ اِس سال سے پیشتر کبھی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ اب مجھے یہ خاص رسم دیکھنے کا

موقع ایک ایسے خطہ اور مقام میں ہوا۔ جہاں ہندوؤں کا زیادہ زور تھا۔ اور جہاں مجھے یہ رسم دیکھ سکنے کے مواقع اور مقامات کی نسبت زیادہ حاصل تھے مجھے منجملہ اور لوگوں کے اس رسم میں شریک ہونے کے لیے بالخصوص مدعو کیا تھا۔ اور اسی واسطے جو کچھ میں نے دیکھا آزادی سے اور اطمینان کے ساتھ دیکھا۔ ہمیں شہر کے ایک معزز سیٹھ کے مکان پر لیجا کر بٹھلایا گیا۔ جو اس موقع کی مناسبت سے نہایت تکلف کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا۔ عالیشان سفید براق کمرہ میں جھاڑ فانوس اور لمپ کی روشنی تھی۔ سفید بے داغ چاندنی کا صاف ستھرا کھچا تنا ہوا فرش تھا۔ اور صدر میں ایک بیش قیمت قالین تھا۔ جسپر ایک بڑا سا گاؤتکیہ رکھا ہوا تھا۔ کمرے کی دیواروں پر موقع مناسب پر آئینے۔ فوٹو۔ اور تصویریں لگی تھیں۔ جن پر روشنی کا عکس نہایت دلفریبی کے ساتھ پڑ رہا تھا۔ صدر میں سب سے اوپر مہادیو اور پاربتی کی ایک خوبصورت تصویر راوی ورما کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی نصب تھی جس میں گنگا جی کا ایک دیوی کی صورت میں آسمان سے ایک ادائے دلربایانہ کے ساتھ اُترنا اور مہادیو جی کا اُن کو اپنی لمبی لمبی جٹاؤں پر لینا کامیابی کے ساتھ دکھلایا تھا۔ تصویر کے پچھلے حصے میں سرسبز و شاداب جنگل کا خاکہ تھا۔ ایک طرف بلند بالا حسین پاربتی جی ریشمین ساڑھی زیب تن کئے لمبے لمبے بالوں کا ایک خوشنما جوڑا باندھے ہوئے اپنے جلیل القدر شوہر کے تروتازہ سواری کے نرگاؤ پر ایک پُر لطف انداز کے ساتھ کہنی ٹیکے ہوئے کھڑی تھیں اور گنگا جی کے اُترنے کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ دوسری طرف ایک جوگی جی اپنے مرگ چھالا کے آسن پر ہاتھ باندھے کھڑے تھے اور اس بات کے آرزومند تھے کہ مہاراج کی نظر پڑ جائے تو دین و دنیا کی دولت سے مالامال ہو جائیں۔ اس دلچسپ تصویر کے ایک طرف ترسول کا نشان تھا جس کا مطلب اُلوہیت کی تین بڑی متحد صفات ہیں

ربوبیت۔ رزاقی۔ اور ہلاکت۔ اور دوسری جانب ۔ اس شکل کا ایک نشان تھا جس میں غالباً دہر کے متدائر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

میرے ساتھی آپس کی چہ میگوئیوں میں مشغول تھے اور میں اس کمرے کی خصوصیات کو نظر غور سے دیکھ رہا تھا۔ کہ اتنے میں ایک پنڈت جی مہاراج دھوتی انگرکھا پہنے سر پر پھینٹا لگائے تشریف لائے اور آکر بیچ محفل میں براجمان ہوئے۔ مہاراج کے آتے ہی پوجا کا سامان آنے لگا۔ ایک چوبی پٹرہ آگے لاکر رکھا گیا اور اُسپر چاروں طرف گھی کے چراغ روشن کئے گئے۔ لوبان جلایا گیا۔ اگر کی بتیاں روشن ہوئیں۔ پھر لکشمی جی کی ایک مورت مٹی کی بنی ہوئی سامنے لاکر ایک تھالی میں رکھی گئی۔ جس میں روپے اور اشرفیوں کا ایک طرف ڈھیر تھا۔ اور اسکے بعد ایک اور پیتل کی چمکتی ہوئی چھوٹی سی تھالی آئی جو خالی تھی۔ گرد و پیش تازہ پھولوں کے گلدستے موسمی میوے اور پھل۔ دودھ۔ دہی۔ پانی اور انواع و اقسام کی مٹھائی قرینے سے سجائی گئی۔ پنڈت جی مہاراج نے نہایت متانت سے سنسکرت زبان میں اشلوک پڑھنے شروع کئے۔ پنڈت جی کی معتبر اور متین صورت! قدیم سنسکرت کے پُر شوکت الفاظ اور اُن کا باقاعدہ تلفظ اور لہجہ! پوجا کا کل سامان! یہ چیزیں ایسی نہ تھیں جن کا اثر دل پر نہ ہوتا۔ میں برابر ٹکٹکی باندھے پنڈت جی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور دلمیں کہتا تھا کہ مذہب خواہ کسی قوم اور ملت کا بھی ہو۔ قلب انسان پر کتنا عظیم الشان اثر رکھتا ہے۔

پنڈت جی دیر تک باآواز بلند اشلوک خوانی کرتے رہے۔ اور اس کے بعد اُنھوں نے ہاتھ بڑھا کر آس پاس کی چیزوں میں سے کچھ اُٹھانا شروع کیا۔ سب سے پہلے لکشمی جی کی مورتی کی آرتی کی گئی ۔ یعنی اُن کے سامنے گھی کے چراغ کو چند بار آگے پیچھے گھمایا گیا۔ جس کا یہ مطلب معلوم ہوتا تھا کہ دیوی جی کو روشنی

اور جوت نذر کی جاتی ہے۔ پھر پھولوں کا ایک ہار لکشمی جی کے گلے میں پہنایا گیا۔ اور کچھ پھول قدموں پر نچھاور کئے گئے۔ اسکے بعد یکے بعد دیگرے ہر ایک پھل اور میوہ اور مٹھائی میں سے تھوڑا تھوڑا لکشمی جی کے آگے تھالی میں پروسا گیا۔ پنڈت جی اشلوک پڑھتے جاتے تھے اور باری باری ہر چیز کو تھالی میں ڈال کر بھوگ لگاتے جاتے تھے۔ نہ اس خیال سے کہ لکشمی جی کی مورتی کو ان چیزوں کی فی الواقع ضرورت تھی اور اُن چیزوں کا حصہ دراصل اُسوقت دیوی جی کو پہونچ رہا تھا۔ بلکہ اسی وجہ سے کہ قلب انسانی کے تاثر اور دل کے جوش عقیدت سے مجبور تھے۔ الغرض میوہ جات سے لیکر پانی تک ہر چیز کا بھوگ لگایا گیا۔ تاآنکہ لکشمی جی بھوجن سے فارغ ہوئیں۔ اُسوقت پان سُپاری لونگ الائچی جائفل جاوتری اور ناریل دیبی جی کو پیش کئے گئے۔ اور دیبی جی نے پان کھاکر عطر ملاحظہ فرمایا۔ سیندور کا ٹیکا زیب جبیں مبارک کیا۔ اور بالآخر پوجا کی رسم اس طرح ختم ہوئی کہ پنڈت جی ہاتھ باندھے صمیم قلب سے زبان سنسکرت میں مورتی کے آگے دعائیں اور رچائیں باواز بلند پڑھ رہے تھے۔ دعاؤں کا یہ سلسلہ کوئی پاؤ گھنٹے تک رہا۔ جس کے بعد ہمارے معزز میزبان سیٹھ صاحب نے اُٹھ کر براہ کرم حاضرین محفل کو پان تقسیم کئے۔ کپڑوں کو اپنے ہاتھ سے عطر ملا۔ اور ہر شخص کی پیشانی پر سیندور کا تلک تبرکاً لگایا۔

محفل سے رخصت ہو کر گھر پہونچنے تک اور لوگوں کے دلوں میں خواہ کچھ بھی خیالات ہوں۔ میں برابر اپنی دکان تک یہ سوچتا چلا آیا کہ جس قوم میں دولت کی باقاعدہ پوجا ہوتی ہے وہ قوم کیونکر دولتمند نہ ہوگی۔

ناشاد

مالوہ کی سیر

اورنگ آباد دکن اور غارہائے الورہ کی سیر

شاہجہاں کے زمانے میں اورنگ زیب نے جبکہ وہ دکن کا صوبہ دار تھا اس شہر کو آباد کر کے اپنا صدر مقام مقرر کیا تھا جب وہ خود بادشاہ ہوا اور مہمات دکن کی وجہ سے دکن میں زیادہ قیام ہوا تو اسکی آبادی اور رونق اور بھی زیادہ ہوگئی۔ یہ اُس زمانہ میں خجستہ بنیاد اورنگ آباد کے نام سے شاہی کاغذات میں لکھا جاتا تھا چنانچہ اُسے اپنی گذشتہ عظمت و شہرت کے سبب سے اِسکا نام ہندوستان میں خاص طور سے مشہور اور بہت بڑا شہر سمجھا جاتا ہے اِس وقت اگرچہ یہ سرکار نظام کے چاروں صوبوں میں سب سے زیادہ زرخیز اور آباد صوبہ کا صدر مقام ہے مگر شہر کی آبادی اور رونق جیسا خیال تھا اُس سے بدرجہا کم اور محض معمولی ہے یہانتک کہ انگریزی علاقہ کی بعض بعض قصبے بھی اِس سے زیادہ بارونق ہیں پولیس اور صفائی کا انتظام بھی خراب اور دقیانوسی معلوم ہوتا ہے۔ ریلوے اسٹیشن آبادی سے دو تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آبادی سے ایک میل کے فاصلے پر چھاونی ہے جہاں ایک پلٹن اور رسالہ کنٹنجنٹ فوج کا رہتا ہے یہاں کا بازار وغیرہ سب علیحدہ ہے۔ آبادی کے گرد عالمگیر کی بنوائی ہوئی شہر پناہ ہے جسکے بعض بعض دروازوں کی عمارت خوبصورت اور شاندار ہے یہاں کی خاص دلچسپ اور قابل بیان صنعت کارخانہ آبرسانی ہے جو اورنگ زیب کے زمانے سے اسوقت تک قائم ہے اور اُسکے ذریعہ سے تمام شہر میں بکثرت پانی بہم

پہونچتا ہے۔ ہر مکان ہر مسجد غرضکہ ہر عمارت میں حوض موجود ہیں۔ بازار اور شارع عام کے کناروں پر بڑے بڑے عالیشان حوض اور خزانے بنے ہوئے ہیں۔ اورنگزیب نے جو بن بیکری پہاڑ سے جو آبادی سے تین کوس کے فاصلے پر بتایا جاتا ہے ندی کاٹ کر پانی کے خزانے بنوا دئیے ہیں اُن سے دن میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک تمام حوضوں کو پانی دیا جاتا ہے۔ یہاں کی سب سے مشہور عمارت روضۂ رابعۃ الدرانی ہے۔ جو نہ صرف اورنگ آباد بلکہ تمام دکن کی عمارتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت سمجھی جاتی ہے۔ اور جائز طور سے ہندوستان کا چھوٹا تاج کہے جانیکی مستحق ہے۔ شہنشاہ عالمگیر کی لڑکی رابعہ بیگم کا مقبرہ ہے۔ جو شہر پناہ کے چاول دروازہ کے باہر محلہ بیگم پورہ کی آبادی کے قریب واقع ہے اور اپنی خوبصورتی کی شہرت کی وجہ سے دور دور کے سیاحوں کو اورنگ آباد کھینچ لاتا ہے۔ ریاست کے لائق حکام نے اسکی زیارت کا ٹیکس ایک آنہ فی آدمی مقرر کر رکھا ہے جو بہ استثنائے یوم جمعہ ہر زائر سے دروازہ پر وصول کر لیا جاتا ہے۔

روضۂ رابعۃ الدرانی

یہ روضہ تمام ایشیا کی فخر اور دنیا کی ممتاز ترین عمارت روضۂ تاج محل (ممتاز محل) کے نمونہ لیکن چھوٹے پیمانہ پر تعمیر کیا گیا ہے۔ خاص روضۂ تاج محل خالص سنگ مرمر کا ہے۔ اور مجبر لاثانی پچیکاری سے آراستہ اور محرابیں خوبصورت اور متبرک کتابوں سے پیراستہ ہیں۔ اس میں سنگ مرمر مجبر اور خاص خاص جگہ میں لگایا گیا ہے۔ باقی عمارت کو نفیس سنگ مرمری صندلہ سے مزین کر کے سنگ مرمر سے زیادہ چمکدار کر دیا ہے۔ باغ کے چاروں گوشوں پر ایک ایک گنبد اور چہار دیواری پر

بصورت کنگورے اور منارے بنے ہیں جنوبی جانب عالیشان گنبد دار دروازہ
ہے جسکے اندر عمدہ نقاشی کی ہوئی ہے دروازہ کے سامنے ایک حوض ہے اُسکے
بعد باغ کا سلسلہ ہے۔ باغ کے ٹھیک وسط میں روضہ کی عمارت ہے۔ درمیان میں
چاروں طرف متعدد نہریں کئی خوبصورت اور وسیع حوض۔ نہروں کے کناروں پر
مختلف وضع کی سنگین کیاریاں بنی ہوئی ہیں باغ روضہ تاج محل کے باغ سے زیادہ
وسیع اور خوبصورت ہے لیکن اُسکا صرف جنوبی اور کسیقدر مشرقی حصہ آباد و
سرسبز ہے باقی ویران۔ نہریں اور حوض خشک اور نہروں کے فوارے سب خراب
پڑے ہیں جو سخت افسوس کی بات ہے۔

روضہ کے اطراف اور جنوبی جانب نہروں اور خیابانوں کے گرد صدر دروازہ
تک ایک سنگین بلند کٹہرہ نصب ہے۔ روضہ کی عمارت کے نیچے چاروں طرف دالان
اور زینہ وغیرہ بنے ہیں۔ جنکے در و دیوار پر گلکاری کی ہوئی ہے۔ اس سے ۲۵ سیڑھیاں
اوپر چڑھ کر سنگ سرخ کا فرش ملتا ہے جسکے چاروں گوشوں پر دو دو منزل کے
خوبصورت مینار۔ مغرب میں تین درجے یعنی دالان در دالان کی خوشنما مسجد باقی
تینوں جانب ایک ایک پختہ حوض معہ فوارہ۔ وسط میں ۲ فٹ چار انچہ سنگ مرمری
بلند چبوترہ پر روضہ کی عمارت ہے جسکے چاروں طرف ۷-۷ ۲ فٹ چوڑا محراب دار
درہے جن کے در و دیوار پر خوبصورت درخت۔ گلدستے۔ بیل۔ بوٹے ترشے ہوئے
ہیں۔ درمیان میں ۸ فٹ چوڑا محراب دار دروازہ ہے جو باریک سنگ مرمر کی جالیوں
سے بند ہے صرف جنوبی جانب کے دروازہ میں ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا ہوا ہے
جسمیں داخل ہو کر اُس ہشت پہل گیلری میں پہونچتے ہیں جو گنبد کے نیچے مجر
کے اوپر بنی ہے۔

جنوبی در میں جو زینہ لگا ہے اُسکی ۲۳ سیڑھیاں نیچے اتر کر گنبد کے اندر پہونچتے ہیں

جہاں درمیان میں سنگ مرمر کا نہایت خوبصورت ہشت پہل مجحر بنا ہے جس کا ہر ضلع ۸ فیٹ ۶ انچہ ہے ہر ضلع میں تین تین نفیس اور بہت باریک جالیاں لگی ہیں جو قابل دید ہیں۔ جالیوں کے اوپر کنگورے ہیں اندر سے مجحر کی بلندی ۵ فیٹ ۶ انچہ ہے مجحر کے اندر چبوترہ ہے جسکی بلندی ۸ انچہ اور ہر ضلع ۱۲ فیٹ ۳ انچہ ہے اِسکے درمیان میں جو فدا ر تعویذ ہے چھت پر درمیانی منزل میں گوشوں پر ایک ایک مثمن کمرہ اور اُسکے اوپر چاروں گوشوں پر ایک ایک مثمن گنبد ایک ایک مینار اور درمیان میں وسیع گنبد ہے۔

جنوبی جانب کے مینار اچھی حالت میں اور شمالی جانب کے مرمت طلب ہیں باغ کی مغربی دیوار سے ملحق پانچ در اور دو درجہ کی مسجد ہے جسکا رقبہ ۴۲ فیٹ ۶ × ۲۵ فیٹ ہے اس مسجد کا فرش سنگ سرخ کا ہے جسمیں سنگ مرمر اور سنگ موسٰی کی پچیکاری سے مُصلّے بنے ہوئے ہیں۔ چھت پتھر سے پٹی ہے آگے صحن ہے جس میں خوبصورت حوض بھی ہے اِس مسجد کے در و دیوار اور چھت پر مختلف رنگوں سے ایسی نفیس خوبصورت اور باریک نقاشی اور طرح طرح کی گلکاری کی ہوئی ہے جسے دیکھ کر آدمی باغ باغ ہو جاتا ہے۔ رنگوں کی شوخی اور پایداری دیکھ کر بلا مبالغہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ باکمال صناعوں نے اِسی وقت اِس کام کو ختم کیا ہے۔ درمیانی محراب میں کلمہ طیبہ اور محرابوں کے اطراف میں اندر باہر خوبصورت دائروں کے اندر باری تعالےٰ کا ایک ایک نام تحریر کرکے نودو نو نام کو تمام مسجد میں بکمال خوبصورتی پورا کیا ہے۔

باغ کے شمال و مشرق میں بعینہٖ مسجد کے مشابہ ایک ایک عمارت ہے صرف ممبر اور کتبہ نہیں۔ اور نقاشی بھی کم ہے۔ مشرقی عمارت میں اب دفتر فنانشل (انگریکلچر) قائم ہے۔ اور دالان کے در شیشوں سے بند کر دئے گئے ہیں۔

پن چکّی

اورنگ آباد کا دوسرا مشہور اور قابل ذکر مقام پن چکی ہے۔ یہاں کا منظر نہایت فرح بخش دلکش اور خوبصورت ہے ایک پختہ چبوترہ کے کنارے پر بہت لمبا اور گہرا حوض بنا ہوا ہے گوشے میں ایک کوٹھڑی ہے جسکے اندر ایک بڑی چکی لگی ہے جو پانی کے زور سے چلتی ہے چکی کے نیچے ایک چکر لگا ہے جسکے نیچے چھوٹے چھوٹے لکڑی کے تختے لگے ہیں اوپر پانی کا خزانہ ہے پانی اوپر سے ان تختوں پر گرتا ہے جسکے زور سے چکر گھومتا اور اسکی وجہ سے چکی چلتی ہے۔ یہی پانی یہاں سے نکل کر حوض میں گرتا ہے۔ حوض میں بڑی بڑی مچھلیاں ہیں اور ایک کنارہ پر برگد کا بہت بڑا درخت ہے۔ پن چکی کے پاس ہی باباشاہ سعید پلنگ پوش رح کی درگاہ ہے جسکی مسجد پانچ در اور دالان در دالان کی بہت خوبصورت ہے۔ اس مسجد میں تین گنبد ہیں اور نہایت نفیس چمکدار صندلہ کیا ہوا ہے۔ درگاہ کا گنبد بھی خوبصورت اور عمارت سنگ سرخ کی ہے صحن میں کئی قبریں اور ہیں جن کے تعویذ سنگ مرمر اور سنگ سرخ کے ہیں۔ آگے سرسبز چمن۔ ایک چوبی بارہ دری۔ دو وسیع حوض معہ فواروں کے ہیں۔ درگاہ اور مسجد عمدہ عمدہ جھاڑ۔ فانوس۔ اور ہانڈیوں سے آراستہ ہے۔ گنبد کے نیچے دو مزار ہیں جن میں مشرقی مزار باباشاہ سعید رح اور مغربی مزار اُنکے خلیفہ باباشاہ مسافر رح کا ہے۔ بیرونی جانب دروازہ پر دونوں مزاروں کے سامنے یہ کتبے کندہ ہیں ؎

پیر کامل سرآمد عرفا خاص درگاہ رب عرش مجید
قطب روئے زمین و غوث زماں اختر برج سعد شاہ سعید

در نظر داشت و ار باقی را | چشم ازیں دارِ بے بقا پوشید
سال تاریخ وصل گفت خرد | مثل جنت بود مکان سعید

دیگر

کشادہ باد بدولت ہمیشہ ایں درگاہ | بحق اشہد ان لا الہ الا اللہ
مسافر شاہ اقلیم حقیقت | مقیم عرش شد از فرش ایں طاق
چو وقت وصل آمد از رہ شوق | بحق پیوستہ ازبس بود مشتاق
خرد تاریخ سال رحلتش گفت | مسافر شد ز عالم قطب آفاق

اس درگاہ کے علاوہ سید تاج الدین ۱۱۱۱ھ سید سلیمان رحمۃ اللہ کی درگاہ اور کئی اور درگاہیں بھی شہر میں ہیں۔

مسجدیں

اورنگ آباد میں بہت سی مسجدیں ہیں جن میں قابل بیان صرف تین ہیں۔

جامع مسجد - یہ پانچ درجہ یعنی دالان در دالان اور گیارہ در کی سادہ وسیع عمارت ہے چھت لداؤ کی پٹی ہے صحن۔ حوض۔ حمام۔ حجرے سب موجود ہیں۔ کوئی کتبہ نہیں عالمگیری تعمیر بتائی جاتی ہے جسکی شہادت اُس کی سادگی سے بھی ہوتی ہے۔

مسجد شاہ گنج - یہ پانچ در اور دو درجوں کی مسجد ہے شمال و جنوب میں ۵-۵ در کا دالان اور اُنکے اندر حجرے بنے ہیں چھت پر ایک گنبد۔ نیچے دو کانیں اور صحن میں بہت وسیع حوض ہے جس میں فوارہ لگا ہے۔ مسجد پر کوئی کتبہ نہیں لیکن مآثر الامرا سے واضح ہے کہ عضد الدولہ عوض خان بہادر و خواجہ کمال سمرقندی کی تعمیر کردہ ہے اور تعمیر کی تاریخ خجستہ بنیاد ہے۔ حوض حسین علیخاں کا تعمیر کردہ اور ناصر دولہ کا وسیع کیا ہوا ہے اِسی مسجد کے برابر ایک معمولی گھنٹا گھر حال میں تعمیر کیا گیا ہے۔

مسجد شایستہ خان۔ عالمگیر کے ماموں اور مشہور امیر امیر الامرا نواب شایستہ خان کی تعمیر کردہ خاص چوک میں واقع ہے۔ نیچے دوکانیں اور اوپر پانچ در اور دو درجہ کی خوبصورت مسجد ہے جسکے آگے وسیع صحن اور حوض ہے۔ چھت پر ایک چھوٹا سا گنبد ہے جسکے اوپر ایک سبز بان بنایا ہے اور اُسپر جلی قلم اور سُنہرے حروف سے **اللہ اکبر** لکھا ہے۔ بان کے اوپر خوبصورت سُنہرا چاند بنا ہے یہ بان۔ چاند اور اللہ اکبر بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ بیرونی دروازہ کی پیشانی پر یہ بیت کندہ ہے ؎

مسجد بنیاد شایستہ خان ساخت بہ یکسال محمد شریف

مسجد کے اندر بیرونی محرابوں اور چھت کے اطراف میں کئی تاریخیں نستعلیق خط میں لکھی ہیں جنکی پوری نقل بخوف طوالت نہیں کی جاتی۔ اِن میں ایک تاریخ یہ ہے۔

روئے آوردہ بہ دیوار آفتاب چوں بہ آئینہ نکو روبے نقاب
خور چو بر دیوار مسجد تافتہ قدر نور خویش را دریافتہ
چوں شدم در فکر تاریخ بنا آمدہ مینی بگوشم ایں ندا
یافت کار از جد و تاسیخ انتظام مسجد از لطف الٰہی شد تمام

[illegible]

ایک تاریخ کا مادہ یہ ہے ؎

چو تاریخ جُستم خرد گفت مینے بہ بیں دل کشا جائی حاجت روائے

ایک تاریخ کا پہلا شعر یہ ہے ؎

مسجد شایستہ جنت فضا درجہاں شایستہ خاں کردہ بنا

غارہائے الورہ

اورنگ آباد سے سولہ میل اور دولت آباد سے ۷ میل کے فاصلے پر الورہ نام

ایک گاؤں واقع ہے اسکے قریب بہت بلند پہاڑ ہے جسکے نیچے پہاڑی غاروں کے مندر ہیں جو پہاڑ کو تراش کر بنائے گئے ہیں یہ ہندوستان کی قدیم صناعی کا نہایت اعلیٰ نمونہ اور گذشتہ فرمانرواؤں کے عظمت وجلال کی شاندار یادگار ہیں۔ یہ مندر بودھ جینی اور برہمن تین حصوں پر منقسم ہیں اور شمار میں علی الترتیب ۱۲ - ۵ - اور ۱۷ ہیں سب سے بڑا مندر کیلاش کے نام سے موسوم ہے۔ فرگسن صاحب لکھتے ہیں کہ اس عمارت کی ساخت ایسی خوشنما اور عجیب وغریب ہے کہ دیکھنے والے متحیر رہ جاتے ہیں۔ اس حیرت انگیز عمارت کی لمبائی اندر سے ۲۴۷ فیٹ اور چوڑائی ۱۵۰ فیٹ ہے۔ بلندی بعض بعض جگہ ۱۰۰ فٹ ہے ۔ کہتے ہیں کہ یہ سب مندر الورہ کے بانی اور ایلچپور کے راجہ ایڈو نے آٹھویں صدی میں اپنی فتحیابی کے شکریہ میں بنوائے تھے یہ مندر ایک ۲۷۶ فیٹ لمبے اور ۱۵۴ فیٹ چوڑے صحن میں بنا ہوا ہے۔

بعض مندروں کی عمارت دو منزلہ سہ منزلہ بنی ہے۔ بڑے بڑے دالان۔ کوٹھریاں زینے بنے ہیں۔ جو سب پہاڑ کے اندر تراشے گئے ہیں۔ ہزاروں چھوٹی بڑی مورتیں شیر ہاتھی وغیرہ جانوروں کی ترشی ہوئی ہیں۔ مہادیو جی۔ رامچندر جی لچھمن جی سیتا جی۔ راون پرسرام۔ گنیش جی۔ پاربتی۔ کرشن جی وغیرہ اور ہندوؤں کے دیگر اوتاروں کی مختلف لیلائیں دکھلائی گئی ہیں سیکڑوں عورتوں مردوں کی پوری قد کی خوفناک مورتیں اور نرک (دوزخ) اور بیکنٹھ (بہشت) کے منظر بنے ہیں۔ بودھ مندروں میں گوتم بودھ کی بہت سی بڑی بڑی مورتیں ہیں ان میں بعض بعض مورتیں نہایت صفائی اور نزاکت سے بنی ہیں۔ بسکرماں کا مکان بہت خوبصورت راونی نما بنا ہے اسکے نیچے ایک بڑی مورت بیٹھی اور دو کھڑی ہیں۔ دھیرواڑہ نمبرا کے ستون منقش اور بہت خوبصورت ہیں۔ اگرچہ ان مندروں کی سیری ایک برہمن دکھاتا ہے جو ہر مورت

اور منظر کے حالات بتاتا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ یہاں کے سب منظر قصہ طلب ہیں جن سے مسلمان عیسائی تو کیا عام ہندو بھی ناواقف ہیں لہذا سوائے عمارت اور مورتوں اور بعض خاص خاص صنعتوں کے دیکھ لینے کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہاں اگر کوئی واقف کار باعلم ہندو ساتھ ہو اور اطمینان سے اِن مندروں کو دیکھا جائے۔ تو اور ہی بات پیدا ہو۔

الورہ میں ایک بزرگ کا مزار بھی ہے جس سے تمام دکن کے ہندو دہقانیوں کو بہت عقیدت ہے اور دور دراز سے اُسکی زیارت کے واسطے آتے ہیں۔ پہاڑ کے اوپر سڑک ہے جسکے کنارے پر ایک ڈاک بنگلہ اور آرام گاہ بنی ہے عام طور سے لوگ دولت آباد کے اسٹیشن پر اُتر کر تانگہ پر الورہ جاتے ہیں اب دولت آباد کے پاس ایک نیا اسٹیشن ایلورہ روڈ کے نام سے کُھل گیا ہے وہاں سے ۴۔۵ میل کا فاصلہ ہے مگر سواری اُس اسٹیشن پر نہیں ملتی۔ دولت آباد سے خلدآباد ۵ میل اور وہاں سے الورہ دو ڈیڑہ میل ہے برسات کے موسم میں یہاں کی سیر کا خاص لطف ہے۔

سعید احمد مارہروی

بازلف تو از ہر بن موجان گلہ دارد — با تیرہ درونان چہ پریشان گلہ دارد
یک آبلہ دل خواہ ندید آہ شکستی — پایم ز سر خار مغیلاں گلہ دارد
گنجایش دریا نبود ممکن صحرا — اشکم عبث از وسعت داماں گلہ دارد
رخسار تو از کاکل و خط رشک بہار است — یعنی چمن از سنبل و ریحاں گلہ دارد
گستاخی من بہ چشم ترا تند نہ سازد — ساقی نبود آنکہ زمستاں گلہ دارد
افتادہ بہر کوچہ و بازار جدا سنگ — دیوانہ ام امروز ز طفلاں گلہ دارد
یک ریزہ ہم از شیشۂ دل کرہش نیست — فخری ز دل سنگ تو جاناں گلہ دارد

فخری میلاپوری (مدراس)

مراکش کی عربی

ایک مسلمان خاتون اور ایک فرنچ لیڈی کی باہم گفتگو

مراکش برِاعظم افریقہ کے شمالی مغربی گوشہ میں ایک اسلامی سلطنت ہے۔ وہاں کے بادشاہ مولائی عبدالعزیز کو اُنکے بھائی ملا حفیظ نے حال میں جو شکست دی ہے۔ اُسکا حال ناظرین نے اخبارات میں پڑھا ہوگا۔ اس ملک پر اہل فرانس بہت کچھ حاوی ہیں۔ اور اُنکی آمد و رفت وہاں زیادہ ہے۔ مراکش کی ایک مسلمان خاتون اور ایک فرنچ لیڈی کا باہمی مکالمہ مراکش کی مقامی زبان میں (معہ اُسکے اردو ترجمہ کے) درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرین کیلئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا عربی زبان قدیم و حال کا اختلاف اور مسلمانانِ مراکش اور مسلمانانِ ہند کی طرزِ معاشرت میں جو خفیف فرق ہے وہ اِس سے ظاہر ہوگا۔

عربی	اردو
مراکش کی خاتون (م) اشکون عبدالباب۔	(م) دروازہ پر کون ہے۔
فرنچ لیڈی (ف) حلی ماتخافی شی۔ انا امراۃ رومیۃ جیت نزورک۔	(ف) آپ دروازہ بلا خوف کھولئے میں ایک پردیسی لیڈی ہوں۔ آپکے ملنے آئی ہوں۔
(م) ادخلی یالالہ۔ مرحباک۔ جوزی تقعدی۔	(م) آیئے۔ آپنے بڑا کرم کیا۔ تشریف رکھئے۔
(ف) ماتعرفینی شی۔	(ف) آپ مجھکو نہیں جانتی۔
(م) ہذہ المرۃ الاولی الی نشوفک۔	(م) مجھے یہ پہلا اتفاق ہے۔
(ف) جیت من لسان السیدہ خلانۃ۔	(ف) مجھے ۔۔۔۔ لیڈی نے بھیجا ہے۔
(م) بالصح نعرفہا بالزاف۔ امراۃ کیسہ ہی حبیبتی۔	(م) درست ہے میں اُنکو اچھی طرح جانتی ہوں۔
(م) ہکذا قالت لی ۔۔۔۔۔۔ زوجک فی الدار	(ف) اُنھوں نے یہ پیغام بھیجا ہے ۔۔۔۔۔ آپکے شوہر گھر میں ہیں

عربی	اردو
(م) غیر کما خرج۔ انی وحدی فی البیت۔	(م) وہ ابھی باہر گئے ہیں۔ میں گھر میں اکیلی ہوں۔
(ف) عندک شی ذراری۔	(ف) آپکے بچے ہیں؟
(م) عندی طفلة وزوج اولاد۔	(م) میرے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔
(ف) کبار والاصغار۔	(ف) بڑے ہیں یا چھوٹے؟
(م) الکبیر فی عمرہ عشرین سنة۔ الثانی فی عمرہ بستاش۔ مازال یقرا۔	(م) بڑے کی عمر ۲۰ سال کی ہے اور دوسرا سولہ برس کا ہے ابھی تک پڑھتا ہے۔
(ف) وبنتک؟	(ف) اور آپکی لڑکی؟
(م) عندہا خمستاش سنة۔	(م) وہ پندرہ برس کی ہے۔
(ف) خی بالی ماہی شی مزوّجہ	(ف) اُس کی شادی غالباً ابھی نہیں ہوئی ہے؟
(م) مازالت۔ ولکن قریب تزوّج۔ راھی معطیہ۔	(م) ابھی نہیں ہوئی ہے مگر عنقریب ہونے والی ہے۔ منگنی ہو چکی ہے۔
(ف) ورجلہا قداش فی عمرہ۔	(ف) دولہ کی عمر کیا ہے۔
(م) فی عمرہ یجی عشرین عام۔	(م) قریب ۲۰ سال کے۔
(ف) تزوّجوا ولادکم صغار۔	(ف) آپ لوگوں کے ہاں بچوں کی شادی جلدی ہو جاتی ہے
(م) ہذہ ہی عادتنا۔	(م) ہمارے ملک کا یہی دستور ہے۔
(ف) قریب شی الزوج۔	(ف) کیا شادی جلد ہونے والی ہے۔

عربی	اردو
(م) بعد شهر رمضان يعني في شهر ونصف	(م) بعد رمضان آج سے ڈیڑہ مہینہ ہی.
(ف) ماذا بي تعرضيني للعرس۔	(ف) اُمید ہے کہ آپ مجھے بھی شادی میں بُلائیں گی۔
(م) ما ننساك شي۔	(م) ضرور۔ میں آپ کو کیونکر بھول سکتی ہوں۔
(ف) الله يسلمك۔	(ف) میں آپکا شکریہ ادا کرتی ہوں۔
(م) راني نستعجب فيك تعرفي العربية بالطبع۔	(م) مجھے تعجب ہے کہ آپ عربی اِس قدر بے تکلف کیونکر بولتی ہیں۔
(ف) نعرف وانا نكتب العربيه۔	(ف) میں عربی لکھ بھی لیتی ہوں۔
(م) فاين تعلمت لساننا۔	(م) آپ نے ہماری زبان کہاں سیکھی؟
(ف) تعلمت مع شيخ عربي۔	(ف) میں نے ایک عربی شیخ سے پڑہی،
(م) اش اسمه۔	(م) اُسکا نام کیا ہے۔
(ف) سي (فلان)، هو شيخ في المدرسه الي يقرا فيها ولدي۔ وانت تعرفي الفرنسيه۔	(ف) جناب .... (فلاں) وہ اُس مدرسہ میں جہاں میرا لڑکا پڑہنے جاتا ہی. پروفیسر ہیں۔ اور آپ کیا ہماری فرنچ زبان بھی جانتی ہیں۔؟
(م) نعرف شي قليل. تعلمته مع بعض نساء روميات يجويزورو في ساعة على ساعة۔	(م) میں بہت تھوڑی فرنچ جانتی ہوں اور وہ میں نے اُن فرنچ لیڈیوں سے سیکھی ہے جو کبھی کبھی مجھ سے ملنے تشریف لاتی ہیں۔

عربی	اردو
(ف) تخرجی شی۔	(ف) آپ کبھی باہر بھی جاتی ہیں ؟
(م) مرتین فی الجمعه۔ الخمیس والجمعه نهار الخمیس نمشوا للحمام۔ نهار الجمعه نمشوا للجبانه۔ نزوروا الموتے	(م) ہفتہ میں دو مرتبہ۔ ہر جمعرات اور جمعہ کو۔ جمعرات کو ہم لوگ حمام میں جاتے ہیں۔ اور جمعہ کے دن قبرستان کو بزرگوں کی قبر کی زیارت کرنے۔
(ف) تخرجی معجرة والا بلا عجار۔	(ف) آپ برقعہ اوڑھ کر جاتی ہیں یا بغیر برقعہ کے ؟
(م) تخرج دائم معجرة۔ هذه هی العاده مایجوز شی عندنا النساء تخرجوا بلا عجار۔ من كثرة الموالفة عندنا ما نرووا شی بالنا لهذا الشی۔	(م) میں ہمیشہ برقعہ اوڑھ کر جاتی ہوں ہمارے ہاں کی یہ ہی رسم ہے ہمارے ملک میں یہ جائز نہیں ہے۔ کہ عورتیں بلا نقاب پھریں۔ اور ہم کو برقعہ کی اسقدر عادت ہو گئی ہے کہ ہم کو اس سے کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔
(ف) الشی بالموالفة۔ اشمن شغل عندكم فی الدار۔ كیفاش تجوزوا الوقت۔	(ف) یہ عادت پر موقوف ہے گھر میں آپ کو کیا شغل رہتا ہے اور آپکا وقت کیونکر گذرتا ہے۔ ؟
(م) نشتغلوا بكل شی نشتغلوا بصوالح الدار۔ والطبخ والخیاطه وغیر ذلك۔	(م) بہت سے شغل ہیں۔ خانہ داری کھانا پکانے۔ سینے پرونے وغیرہ میں ہم لوگ مشغول رہتے ہیں۔

عربی

(ف) تقرا واشویہ۔

(م) ابدًا۔ نسار المسلمین ما یعرفوا لایقرا وا ولایکتبو یشتغل الرجال۔

(ف) خسارا۔ تروحوا شی للجامع۔

(م) قانا لالا۔

(ف) تعرفی تغنی۔

(م) نعرف نغنی۔

(ف) غنی لی نصیب بسلمک۔

(م) ....

(ف) تغنی بالطبع۔ صوتک یعجبنی۔ صوتک ملیح یمکن ترقصی ثانی۔

(م) ما نرقصوا شی۔ ماشی ملیح عندنا۔ لکن عندنا شطاجات شغلہم الطبخ۔ یکرو ہم نشیطوا کیف یکون عرس زواج والا طہارۃ۔

اردو

(ف) آپ کچھ پڑہتی بھی ہیں۔؟

(م) کبھی نہیں۔ مسلمانوں کی عورتیں نہ پڑہنا جانتی ہیں۔ نہ لکھنا۔ یہ مردونکا کام ہے۔

(ف) افسوس۔ آپ مسجد جاتی ہیں۔؟

(م) کبھی نہیں۔

(ف) آپ گانا جانتی ہے۔

(م) میں گانا جانتی ہوں۔

(ف) آپ مہربانی کرکے کچھ گائیے۔

(م) ....

(ف) آپ تو بہت اچھا گاتی ہیں۔ آپکی آواز مجھ کو بہت پسند ہے نہایت عمدہ آواز ہے آپ ناچ بھی لیتی ہیں؟

(م) ہم ناچتے نہیں۔ ہمارے ہاں ناچنا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن ہمارے ملک میں کچھ عورتیں ہیں کہ جو ناچنے کا پیشہ کرتی ہیں اور جہاں کہیں شادی یا ختنہ کی تقریب ہوتی ہے وہاں وہ ناچنے کے لئے بلائی جاتی ہیں۔

عربی

(ف) امالا ما عندکم شی شیطح الرجال والنساء مع بعضہم بعض۔ کیف النصارےٰ۔

(م) لالا ما عندنا شی۔ ہاہی بنتی جارت۔ کانت عند عمتہا مریضہ۔

(ف) ما ازین خلیفہ ربی۔ شابہ بالنراف

(م) اللہ یبارک۔

(ف) لمنیہا یسلبوا القلب۔ ما ابیض اسنانہا کیف الجوہر۔ یحیّ شعر الکحل یحیّ جلد ارطب کانہ قطیفہ۔ ما اظرف صغر یدیہا۔ عمری ما اشفت عینین سود مثل عینیہا۔ بالصح علاش تصبغی لہا حواجبہا۔

(م) ہذہ طبیعہ ما تعجبنی لشی۔

(ف) علاش ثانی راہی موشمہ۔

(م) الوشام قانا ما تعجبنی شی۔

(ف) علاش اصباعہا مصبوغین بالاحمر۔

اردو

(ف) لیکن جس طرح مرد اور عورت یورپ میں باہم ناچتے ہیں۔ وہ دستور آپکے یہاں نہیں ہے۔

(م) نہیں ہم لوگوں کے ہاں وہ دستور نہیں ہے یہ میری لڑکی آتی ہے۔ یہ اپنی چچی کے یہاں تھی جو بیمار ہیں۔

(ف) ماشاء اللہ بہت قبول صورت لڑکی ہے۔

(م) خدا اپنا فضل رکھے۔

(ف) کیا دلاویز آنکھیں ہیں۔ کیسے سفید موتی سے دانت ہیں۔ کسقدر سیاہ بال ہیں کیسی نرم مخملی جلد ہے۔ کیسے چھوٹے چھوٹے ہاتھ ہیں۔ میں نے ایسی سیاہ آنکھیں اپنی عمر میں کبھی نہیں دیکھیں۔ مگر آپ نے اسکی بھویں کیوں رنگ دی ہیں؟

(م) میں تو اس رسم کو پسند نہیں کرتی

(ف) اور یہ لڑکی گودی ہوئی کیوں ہے

(م) میں گودنے کی رسم بھی پسند نہیں کرتی۔

(ف) اور اسکی انگلیاں سرخ کیوں ہیں۔

عربی

(م) ہذیک حنہ۔
(ف) خلنی وراسک۔ تخرج فی لباسک الملیح .... من برا ما تنظہری شی لابسی۔ ہکذا حو اسح طلاح نمالیین۔ صیاغتک تعجبنی یا سر۔ یحب صیاغة العرب۔ عندک خیط عظیم۔ مناقش ومسایس یسو واقیمة۔ یلزمنی امشی

(م) عندی فرح کبیر کیف تعرفت بک۔
(ف) سرحینی نعطی ہذہ الهدیة الصغیرہ للشابة بنتک۔
(م) کثر خیرک۔

اردو

(م) یہ مہندی لگی ہے۔
(ف) آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپکا نفیس لباس دیکھوں .... کوئی آپ کو باہر سے دیکھ کر یہ نہیں جان سکتا کہ آپ سقدر نفیس اور قیمتی لباس اندر پہنے ہوئے ہیں۔ آپکا زیور مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ عربوں کے سب زیور میں پسند کرتی ہوں۔ یہ آپکے گلے کا توڑا نہایت نفیس ہوتا ہے۔ اور یہ بندے اور چوڑیاں بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ اب میں جاتی ہوں۔
(م) آپ سے ملکر مجھکو نہایت خوشی ہوئی۔
(ف) مجھ کو اجازت دیجئے کہ یہ حقیر تحفہ میں آپ کی لڑکی کی نذر کروں۔
(م) میں آپکا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

المترجم۔ محمد احمد۔ ایم اے۔ ایل ایل ایم۔ بیرسٹرایٹ لا۔

پیاری

(۱)

ذیل کا نصیحت آمیز مضمون ایک دلچسپ قصے کے پیرائے میں ہمارے عنایت فرما جناب پنڈت شیو نرائن صاحب شمیم ۔ وکیل چیف کورٹ پنجاب کی طباعی کا نمونہ ہے ۔ آپکی تصانیف ملک میں قبول عام حاصل کر چکی ہیں ۔ خصوصاً آپ کا ناول ایم اے بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی" جس میں نئی تعلیم کی بعض نقائص بہت جرأت اور صفائی سے بیان کئے گئے تھے بہت شہرت پا چکا ہے ۔ اسلئے اُمید ہے یہ ناولٹ (چھوٹا سا ناول) جو اب انھوں نے مخزن میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے ۔ شوق سے پڑھا جائے گا ۔

پیاری اپنے کمرہ میں بیٹھی ہے ۔ اور اُسکے سامنے کسی متبرک اور مقدس بزرگ کی پاک روح اُسے ہدایت کرتی ہے ۔ اور وہ بے باکانہ جواب دیتی ہے ۔

روح ۔ اے چنچل ۔ سیلانی ۔ لاابالی لڑکی تو نے یہ کیا وتیرہ اختیار کیا ہے کہ تو کسی کی ہو کر نہیں رہتی ۔ خدا کی پاک زمین پر تیری بدولت کتنے گناہ سرزد ہوتے ہیں ۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تو کسی سے ازدواج کرے ۔ تیرے عشق نے اس ملک کو تنگ کر دیا ۔ اور تو داغ حسرت دیکر اور ملکوں کو چلی گئی وہاں بھی تو اُن ملکوں کو ستیاناس کریگی ۔

پیاری ۔ میں تو سدا سے ایسی ہی تھی ۔ اور آیندہ بھی ایسی ہی رہونگی ۔ مجھے کوئی دنیا بھر میں ایسا شخص معلوم نہیں ہوتا جسکے ساتھ میں مستقل تعلق پیدا کروں

مثل سابق اب بھی یہی ارادہ ہے کہ اپنے حسن و جمال سے ہر کہ و مہ کو گرویدہ کروں۔ اپنے کرشموں سے سب کو گھائل کروں۔ آپ مجھے آوارہ۔ بے باک۔ بیہودہ۔ بدلگام۔ بے وفا غرض جو چاہو سمجھو میں سدا قتل عشاق کرتی رہونگی۔ اور کسی کی دوست نہ ہونگی۔ اگر کبھی برائے چندے کسی کے ہم آغوش رہونگی تو اُسے ایسی دغا دونگی۔ کہ وہ مدت العمر یاد کرے۔ بجلی کی چمک کے مانند اُسکی آنکھیں چکا چوند کر کے غائب ہو جاؤنگی۔ میرے عشاق مجھے رنگا رنگ کی فتنہ پردازیوں۔ منصوبہ بازیوں۔ عیاریوں سے دام میں لانے کی کوشش کریں گے عارضی طور پر اُنکے پھندے کارگر نہ ہونگے۔ انجام اُنکا بھی اچھا نہ ہو گا۔ بڑے بڑے متقی۔ پرہیزگار۔ زاہد۔ عابد۔ میرے دام تزویر میں پھنسیں گے۔ شاید کوئی شاذ و نادر ایسا نکلے گا۔ جو بے مجھے مردمی سے لات مار دے گا۔ مجھے اسی کیفیت میں لطف ہے کہ ہر شخص مجھ پر ریجھے۔ میرے گن گائے۔ میری ہر آن پر نثار ہو۔ اور ہر لحظہ ہوائی قلعے بنائے لیکن یہاں وفاداری معلوم۔ بعض بعض مجھے ایسی زنجیروں میں جکڑینگے۔ جس سے میرا نکلنا اُن کو دشوار معلوم ہو گا۔ لیکن میں اِس طرح نکل جاؤں گی۔ جیسے مکھن سے بال۔

روح۔ او مغرور لڑکی۔ تیرا جادو۔ تیرا حسن۔ تیرا گھمنڈ ہر ایک پر نہ چلے گا۔ دنیا ایسے انسانوں سے خالی نہیں کہ تجھے مردود سمجھیں۔ اُنکی نظر میں تو بس کی گانٹھ ہے۔ سارے جہان کے عیبوں کی پوٹلی ہے تو اپنے تئیں حسین سمجھتی ہے اور اُنکے نزدیک تجھ سے زیادہ بدصورت کوئی شے نہیں۔ جو روحانی ملک ہیں۔ اُسکے دروازے تیرے لئے بند ہیں۔

پیاری۔ جن روحانی ملکوں کا اب ذکر کرتے ہو اور جن لوگوں کا آپ ذکر کرتے ہیں ہو اُن سے مجھے سروکار نہیں۔ البتہ اُن پر بھی اپنے پھندے ڈالتی ہوں۔ اور میرا وار خالی کم جاتا ہے کوئی نہ کوئی شکل میرے ہاتھ آ ہی جاتی ہے۔ لیکن دنیا میں میرے دلدادہ میری ہر آن پر فریفتہ ہیں۔ میرا تیر نگاہ ہر متنفس کا جگر پاش پاش کرتا ہے۔ میری محبت آمیز گفتگو۔ میرا انداز بیان۔ میری نظر غلط انداز میرا ناز و نیاز ایسے دل لبھانے والے ہیں کہ کسی کا دل اُن کے اثر سے بچ نہیں سکتا۔ نہ بچہ نہ جوان نہ بڈھا نہ زن نہ مرد کوئی میری ترچھی نگاہ سے بچ ہی نہیں سکتا۔ آفات سماوی و ارضی میرے حُسن کو کم نہیں کر سکتے ہیں۔ عمر کا تو مجھ پر قطعی اثر ہی نہیں۔ سدا جوان۔ سدا تازہ۔ سدا نوبنو۔ اگر صبح کو سورج مکھی ہوں۔ تو دوپہر کو گل اشرفی۔ اور شام کو گل شببو۔ دن کو چمکتی ہوں تو رات کو دمکتی ہوں سلاطین وقت تو میرا ہی دم بھرتے ہیں۔ روحانی لوگ خواہ کچھ سمجھیں دنیا نے تو مجھے دیوی کا رتبہ بخشا ہے۔ خدا سے بھی میرا رتبہ بالا سمجھا جاتا ہے میں بت سیمتن اس قماش کی ہوں کہ میرے سامنے سب دنیا بھر کے معشوق شرمندہ ہیں۔ اس کو تعلی نہ سمجھنا یہ امر واقعی ہے۔

روح۔ دراصل تیرا قصور نہیں۔ آدمی زادوں کا اپنا نقص انتظام ہے کہ تو اس طرح اتراتی پھرتی ہے۔ اچھا کوئی نہ کوئی ایسا وقت بھی آجائے گا۔ کہ حق بحقدار رسد ایسے لوگ بھی دنیا ہی میں پیدا ہو جاوینگے جو تجھے راہ راست پر لا سکیں گے۔

شمیم (باقی آئندہ)

مثنوی باغ بہار

گذشتہ اشاعت سے آگے

تاج الملوک دیو سے لڑتا ہے :- نسیم

غل کرکے زمین پر گرا دیو | موجود ہوئے ہزار ہا دیو
ٹوپی کو اُتار کر پری نے | چومے قدم بس پری نے

ریحان

لکھتے ہیں وہ دیو سحر گر تھا | جو اُس کے بدن سے خون ٹپکا
ہر قطرۂ خون سے اس جگہ پر | پیدا ہوتے سیکڑوں ستمگر :
اس اک سے ہوتے ہزار پیدا | ہر ایک سفید دیو کا سا

دیکھ اس کی لزنت روح افزا | ہوئی قدموں پہ دوڑ کر جبیں سا

بکاولی اور روح افزا کی نوک جھونک : نسیم

سمجھی وہ ہنسی کہا سخن ہو | نادان ہو کیا کہوں بہن ہو
ہم کو یہ ہنسی نہیں گوارا | پیارا ہووے گا وہ تمہارا
پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں | بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں
بولی وہ کہ آشنا تمہارا | پیارا نہیں پیاری کا ہے پیارا
گر اُس کی تلاش میں ہیں کھوئی | بدراہ نہ کہہ سکے گا کوئی

ریحان

غصہ سے کہا کہ کیوں ری تجھ | دیوانی ہوئی ہے روح افزا
کئی سال میں شکل جو دکھائی | اک بات انوکھی لیتی آئی

تو آئی تھی دیکھنے دکھانے | یا طعنوں سے میرا جی جلانے
چل اُٹھ میرے پاس سے نہ دکھ دے | در گذری میں تیری دوستی سے
میں مرتی ہوں آپ اپنے جی سے | کیا کام کسی کی آشتی سے
تو گھاؤ پہ آئی پھاہا رکھنے | یا پھیلنے اور نمک چھڑکنے
یہاں چور کہاں رہی چوری کیسی | ہاں کیوں نہ کہے ہو آپ جیسی
آئی ہو کہاں سے کرکے کیا کیا | دیتی ہے تو اُلٹا مجھ کو طعنہ

....

میں کرتی ہوں تیرے کام کی بات | تو جانتی ہے اُسے خرافات
میں درد کا تیرے ڈھونڈوں درماں | تو دور کرے ہے مجھ سے پیہاں

انسان اشرف المخلوقات ہے بہ نسیم

انسان ہی تھے حضرت سلیماں | انسان ہی تھے مسیح دوراں

ریحاں

جب بھی نہیں کچھ بُرے ہیں انسان | بتلاؤ تو کیا ہے ان میں نقصان
قرآن میں لکھے ہے آپ خالق | انسان کو اشرف الخلایق
کس بات میں ہم سے وہ بتر ہیں | انسان جو احسن الصّور ہیں
ہم ہوتے گر آدمی سے بہتر | ہوتے نہ پری میں بھی پیمبر
تھا بادشہ شہان سلیمان | وہ دیو پری تھے یا کہ انسان
تھے جن و بشر سب اُسکے محکوم | خادم تھے جہانیاں وہ مخدوم

جمیلہ بکاولی کے بیاہ پر راضی ہو جاتی ہے :-

نسیم

حسن آرا جو تھی نیک تدبیر | دکھلائی جمیلہ کو تقریر
بولی کھو کہا کہ مانا | پر کھوئے ہوئے کا کیا ٹھکانا

ریحان

باتوں کے جو دام میں وہ لائی بیٹی لے دیتے ہی بن آئی
کہنے لگی بی بی میں نے مانا لازم نہیں اب مجھے ستانا

شادی کی بہار۔

ریحان

سرسبز ہوئے چمن کے اشجار فردوس بنا بنائے گلزار
کلیاں لگی گل کی مسکرانے گل پردہ سے منہ لگے دکھانے
پوشاک پہن شہانہ لالا گلزار کا روپ کیا نکالا
پتے لگے شاخ پر چمکنے بو پھول کی ہر طرف مہکنے
سبزہ لگا لہلہانے سب اور سرمست ہو ناچنے لگے مور
پوشاک بدل کے سرو رعنا لب پر ہوا جو کے جلوہ آرا
رقاص ہوا خوشی سے شمشاد تھی اِس کو بہانہ جنبش باد
پھولا نہ سماتا تھا ہر اک گل تھی چہچہہ زن ہر ایک بلبل
گانے لگیں ہر طرف ترانے ایک چھاڑ سوہلے اور شہانے
شمشاد پہ قمریاں خوش خوان لینے لگیں سب بہار کے تان
بھونرے لگے گل پہ گنگنانے کلیاں لگیں چٹکیاں بجانے
شہنائی لگی بجانے شبو خوش کر دیا محفل چمن کو
سوئج مکھی دائرہ پکڑ کر شہنائی سے مل چلی برابر
طنبورچی بن کے خود صنوبر آ پہونچا چمن میں جو کے لب پر
غنچوں نے بھی لیکے ڈھولک اپنی طنبورے کے ساتھ ہی بجادی
فراش صبا نے باغ اندر بچھوا دیا مفرش مشجر
گلشن میں شہ گل آکے بیٹھا ہونے لگا سب گلوں کا مجرا

شاخیں لگیں سر ہلا ہلا کر یوں کہنے اشاروں سے بلا کر
نخلوں کے تئیں کہ اے عزیزو ہے روز نشاط بیٹھے کیا ہو
ارباب نشاط کو بلا لو دن عیش کے ہیں مزے اُٹھا لو
ساقی کی طرح سے جام لالہ لے کر مے سرخ کا پیالہ
ہے جھک کے کھڑا کہ نوشہ گل لے ہاتھ سے اسکے ساغر مل
سرمست نشاط ہر طرف مور باغوں میں مچا رہے ہیں غل شور
ہیں خرخرے دے رہے منادی ہے آج بکاولی کی شادی

راجہ اندر بکاولی کو یاد کرتا ہے۔ نسیم

ایک شب راجہ تھا محفل آرا یاد آئی بکاولی دل آرا
پوچھا پریوں سے کچھ خبر ہے شہزادی بکاولی کدھر ہے
منہ پھیر کے ایک مسکرائی آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی
چتون کو ملا کے رہ گئی ایک ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک
بولا وہ کہ چپ ہو کیوں سبب کیا بولیں وہ کہ ہے بے ادب کیا
ناتا پریوں سے اُسنے توڑا رشتہ اک آدمی سے جوڑا
وہ سُن کے خفا ہوا کہا جاؤ جس طرح سے بیٹھی ہو اُٹھا لاؤ

ریحان

اِس بزم میں ایک دن قضارا یاد آ گئی شہ کو وہ دل آرا
خدام سے پوچھی اُسکی حالت کیوں ترک کی اُس پری نے خدمت
جو اُسکے نہ آنے کا سبب تھا لوگوں نے تمام کہہ سنایا
سنتے ہی یہ قصہ راجہ اندر غصہ ہوا اُس پری کے اوپر
فرمایا کہ لوگ جلد جاویں جس طرح سے ہو اُسے لے آویں

تاج الملوک بیدار ہو کر بکاولی کو اپنے پاس نہیں پاتا :-

نسیم

دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے   پہلو میں جگر کے دل نہیں ہے

ریحان

دیکھا تو نہیں ہے وہ صنوبر   بے بہرہ ہے گلبدن سے بستر

تاج الملوک چھپا ہوا بکاولی کے ہمراہ ہو جاتا ہے :-

نسیم

اُس تخت کا یہ پکڑ کے پایہ   پوشیدہ ہوا بزنگ سایہ

ریحان

یوں پیچھے لگا چلا وہ آیا   جوں شخص کے ساتھ ساتھ سایا

بکاولی واپس ہوتی ہے۔ تاج الملوک بھی اسی طرح ساتھ ہے۔ لیکن وہ جلدی کر کے پہلے خوابگاہ میں پہنچ جاتا ہے :-

نسیم

وہ حوض کے رخ چلی اُتر کر   یہ آنکھ بچا کے سوئے بستر
وہ آئی تو غافل اس کو پایا   آغوش میں آ گلے لگایا

ریحان

اُتری نہ تھی رتھ کہ وہ اُتر کر   آ جلدی سے سو گیا پلنگ پر
پیچھے سے بکاولی بھی آئی   شہزادے کو نیند میں جو پائی

راجہ اندر اظہار خوشنودی کرتا ہے نسیم

راجہ نے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے   جو چاہے آج مانگ مجھ سے

ریحان

تجھے بہت آج میں ہوا شاد کیا خوب جا یا آفریں باد
لے مانگ تجھے جو کچھ ہو درکار بخشوں گا تجھے بغیر تکرار

راجہ اندر بکاولی کو بد دعا دیتا ہے بو نسیم

کی ہے حرکت خلاف آئیں پتھر کا ہو نصف جسم پائیں

ریحان

یوں اُس کو کہا سراپ دیکر ہو جائے تو آدھی دھڑ سے پتھر

پریاں چشمہ پر تاج الملوک کو پریشان حال دیکھکر آپس میں اُسکے مصائب کا ذکر کرتے ہیں۔

نسیم

بولیں یہ وہی پکھاوچی ہے عاشق جس پر بکاولی ہے

ریحان

ان پریوں سے ایک نخرت نما دیکھ اس کو لگی یہ کہنے بھر آہ
ہے یہ تو بکاولی کا شوہر وہ اس پہ ہے عاشق اور وہ اسیر
اس جرم سے ہے یہ ماہ رخسار اندر کے عتاب میں گرفتار

تاج الملوک کو بکاولی کا پتہ بتایا جاتا ہے۔ نسیم

وہ جائے بکاولی بتائی دیوانے کو باولی بتائی

ریحان

اٹھ دیکھ یہ تبکدہ وہی ہے جس میں کہ تری بکاولی ہے

رانی چترا وت تاج الملوک پر عاشق ہوتی ہے:۔

نسیم

چتراوت اس کی ماہ پارا غرفہ سے کرتی تھی نظارا
دیکھا تو جوان تھا یہ تصویر صورت پہ فدا ہوئی وہ بے پیر

ریحان

اس رشک پھر کے لب بام | اک پھرتی تھی ماہ رو دلارام
چترا وت نام اور پری رو | مکھ سکھ سے تھی عضو عضو جادو
بس اک ہی نگاہ میں وہ رانی | شہزادہ پہ ہو گئی دوانی

تاج الملوک اپنی ران میں سے من نکالتا ہے۔

نسیم

من سانپ کا ران سے نکالا | بازار آیا وہ سرو بالا

ریحان

جھٹ ران کو اپنی چیر ڈالا | بھوبے ہوئے لال کو نکالا

تاج الملوک زندان میں ہے:۔

نسیم

زنداں میں وہ نیم جان و بسمل | زنجیر میں پاؤں لف میں دل
غم کھا کے لہو کے گھونٹ پینا | دم کے دہاگوں سے ہونٹ سینا

ریحان

ہے دور فلک عجب ستمگار | نا اہل نواز سر دم آزار
کیا کیا کیا ہائے تاج کو خوار | چوری بھی لگائی آخر کار

....

وہاں دیر میں قید وہ جگر بند | یہاں خود ہوا بے گنہ نظر بند

....

اپنی نہ وہ قید سے تھا ڈرتا | تھا درد فراق سے وہ مرتا
اتنا اسے ہجر کا ہوا غم | بے گریہ نہ تھا گزرتا کوئی دم
نے ہوتا تھا دو بدو کسی سے | نے کرتا تھا گفتگو کسی سے
رہتا تھا مدام سر بزانو | تھمتا نہ تھا ایک لحظہ آنسو

چترا وت پر تاج الملوک کا راز کھل جاتا ہے:۔

نسیم

غافل اسے چھوڑ کر اُٹھا یہ — لپکا تو پری کے رخ گیا یہ
یہ جاگی ہوئی وہ فتنہ بیدار — دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار
دوری نے جو حد سے کی درازی — جانا کہ کہیں ہے عشق بازی
خلوت خانہ سے باہر آئی — دربانوں کے پاس در پر آئی
حکم ان کو دیا کہ شام کو آج — جانا ہمراہ صاحب تاج
سائے کی طرح سے ساتھ رہنا — جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا
آنکھ اُسکی یہ سُنکے خون میں ڈوبی — مریخ بنی وہ ماہ خوبی

ریحان

اک روز کہیں بہ سابق اطوار — بتخانے گیا وہ بت پرستار
شہزادی ہوئی جو آنکھیں بیدار — دیکھا تو نہیں ہے پاس دلدار
پیدا ہوئی اِس کو بدگمانی — درپے ہوئی یار کی نہانی
معلوم کیا کہ ہے مرا یار — باہر کسی اور سے گرفتار
ہرکارے لگائے اُسکے ہمراہ — تو راز سے اِسکے ہوں آگاہ
سُن کر ہوا اُس کو رشک پیدا — جل بُھن گئی غصہ سے سراپا

رانی چترادت کے حکم سے بتخانہ کا کھدنا اور تاج الملوک کی بیقراری :۔

نسیم

دیکھا تو وہ ماہ رونہ وہ بُرج — وہ لعل گراں بہا نہ وہ دُرج
شور اسنے کیا کہ کیا یہ شر ہے — آواز آئی کہ بے خبر ہے
ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے — جا کچھ دنوں صبر کر خدا ہے

ریحان

جب دوسری شب وہاں گیا تاج — دیکھا تو ہے بتکدہ وہ تاراج
نے بت ہے نہ بتکدہ کے آثار — ہو گئی ہے زمین صاف ہموار
بتخانہ کو دیکھتے ہی ویراں — قالب میں سے بس نکل گئی جاں
اُس خاک سے آگئی یہ آواز — مت جان دے ای امین دمساز
کر صبر تو اضطراب مت کر — تھوڑے سے ہے دن شتاب مت کر
ہرگز نہ ہو وصل سے تو بیدل — اب ہوگی تری مراد حاصل

سرسوں بوئی جاتی ہے :-

نسیم

دہقان تھے نئی زمین کے جویا — سرسوں کا کھیت اُنھوں نے بویا

ریحان

تیلی نے زمین وہ مول لے لی — خودرائی سے سرسوں اُس میں بو دی

بکاولی انسانی قالب میں پیدا ہوتی ہے۔

نسیم

ایام مقرری گزر کر — پیدا ہوئی اک حسینہ دختر
صورت میں پری جمال میں حور — فلفل سے وہ ماہ بیش کافور
مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ — لوگ آنے لگے پئے نظارہ

ریحان

جب حمل کی گزری مدت اسپر — پیدا ہوئی اک پری سی دختر
خوشرو و حسین و نیک منظر — خورشید عذار ماہ پیکر
تھی بسکہ حسین و خوبصورت — عالم میں بڑی تھی اسکی شہرت
آنے لگی دوڑ دوڑ خلقت — ہونے لگی دخت کی زیارت
بالین پہ اسکے صبح اور شام — گر رہے تھے بھیڑ خاص اور عام

مصائب کا زمانہ ختم ہو گیا۔ بچھڑے ملتے ہیں۔

نسیم

گزرا بارے جو عہد سختی آئے ایام نیک بختی
ناگاہ سمن پری لئے تخت وارد ہوئی اور کہا کہ لے رخت
رخت اِسنے سج کے تخت اُڑایا دامانِ نظر سے منہ چھپایا
منہ دیکھتے ہی بکاولی کا سایہ اُسے ہو گیا پری کا

ریحان

جب کٹ گئی بد دعا کی مدت تبدیل کی اُس پری نے صورت
حاضر ہوئی آن کر سمن رو کہنے لگی حکم کیا ہے مجھ کو
پوشاک پہن کے وہ پریزاد بن بیٹھی برنگ سبز شمشاد
دیکھ اس کا جمال و شوکت و شان چترا دلی ہو گئی ہراسان

بکاولی اور تاج الملوک معہ چترا وت کے گھر لوٹتے ہیں۔

نسیم

بولا وہ کہ لونڈی ہے تمھاری یہ کہ کے اُسے کہا کہ پیاری
جولی مری تو ہاتھ اُن کے چل آ کہ چلا ہیں ساتھ اُن کے
رانی نے کہا کہ گو یہ ہے غیر میں تیری ہوں تو کسی کا ہو خیر

ریحان

چترا کو کہا ملک نے کیوں جی جانے میں تمھاری کیا ہے مرضی
منظور ہے میری گر رفاقت ماں باپ سے تو تم ہو جئے رخصت
وہ کہنے لگی کہ تیرے قرباں میں اور نہ جاؤں میری کیا جان

سید خورشید علی (حیدر آباد دکن)

امام الحاضر آغا خان

سلطان محمد شاہ صاحب عرف آغا خان جنکی تصویر مخزن میں شائع کی جاتی ہے اور جو اس زمانہ میں بڑے نامور اور عزت والے مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔ سیدنا حضرت مولے علی کے ۴۸ واسطے سے فرزند ہیں۔ مسلمانوں میں خاصکر ہندوستان کے مسلمانوں میں اب ایسے آدمی کمیاب ہیں جو دنیاوی تعلقات میں مصروف رہ کر اپنے مذہبی وقار کو باقی رکھ سکتے ہوں لیکن آغا صاحب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ باوجود غیر مسلم لوگوں کا لباس پہنے اکثر یورپ کے سفر میں مصروف رہنے لا مذہبوں سے خلا ملا رکھنے کے لاکھوں آدمی ان کو اپنا دینی پیشوا خیال کرتے ہیں۔

آغا خان جن کو انکی جماعت حاضر امام تصور کرتی اور صاحب کے لفظ سے یاد کرتی ہے حقیقت میں ایک غیر معمولی قابلیت کے انسان ہیں۔ وہ عربی فارسی اور اپنے مذہبی علوم کے قطع نظر انگریزی علم کے اور انگریزی تمدن کے اعلی واقفکار ہیں۔ بڑے بڑے فیشن ایبل یورپینوں کا قول ہے کہ آغا خان انگریزی تمدن کو انگریزوں سے زیادہ سمجھتا اور برت سکتا ہے۔ انکی جماعت کو عموماً خوجہ کہا جاتا ہے۔ بوہرے اِس جماعت سے کچھ تعلق نہیں رکھتے بعض لوگوں کو اس معاملہ میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ آغا خانی فرقہ کے عقائد کی نسبت ٹھیک ٹھیک رائے دینا مشکل ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے عقائد کو نہایت احتیاط سے مخفی رکھتے ہیں۔ تاہم مجمل طور پر قیام بمبئی کے زمانہ میں ہم نے کچھ معلوم کیا تھا اور وہ حسب ذیل ہے۔

یہ فرقہ حضرت اسمٰعیل سے منسوب ہے جو سیدنا حضرت امام جعفر صادق کے بڑے صاحبزادے تھے اور اپنے والد کی زندگی میں رحلت کر گئے تھے۔ انکے عقیدے میں حضرت امام جعفر کے بعد حضرت اسمٰعیل امام ہوئے۔ گو وہ رحلت کر گئے مگر انکی روح انکے فرزند محمد بن اسمٰعیل میں ظاہر ہوئی اور منتقل ہوتی ہوتی موجودہ آغا خان میں آئی۔ تناسخ یا آواگون کے اس حصہ کو یہ فرقہ تسلیم کرتا ہے کہ روح میں دوبارہ جسم اختیار کرنیکی صلاحیت ہے۔ مگر ہندوؤں کے عالمگیر تناسخ سے اسے کچھ واسطہ نہیں۔ جہاں انسان وحیوان نباتات وجمادات میں روحانی نقل وحرکت کی مساوات کو مانا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں شہدا (جو خدا کے راستہ میں زندگی دے ڈالتے ہیں) کی ابدی زندگی کا تذکرہ موجود ہے۔ اس سے ائمہ کی روحانیت کا برقرار رہنا ثابت کیا جاتا ہے۔ شروع شروع میں یہ عقیدہ محدود تھا مگر جب اس فرقہ کے داعی ہندوستان میں آئے اور ہندوؤں کے مذہب کو سیکھا تو وہ کھلم کھلا حضرت مولائے علی اور آغا خانی اماموں کو مظہر ذات وصفات یعنی اوتار بیان کرنے لگے۔ اس عقیدے کے سبب انکو ہندوستان میں بڑی کامیابی ہوئی اور لاکھوں ہندو آغا خانی مسلمان ہو گئے۔ عربی مورخین نے آغا خان کے بزرگوں کا تذکرہ بُرے الفاظ میں کیا ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ مورخ لوگ شخصی حکومتوں کے دباؤ یا ذاتی معلومات کی کمی سے اصلی واقعات نہیں لکھ سکے۔ حضرت اسمٰعیل کی پانچویں پشت میں مہدی نامی ایک صاحب تھے انکی ذات سے گروہ اسمٰعیل کو بہت شہرت وتقویت پہونچی۔ یہانتک کہ افریقہ میں ۲۹۶ھ میں انکی سلطنت قائم ہوگئی۔ مہدی کے بعد انکے صاحبزادے قائم اور انکے لڑکے منصور نے اور پھر منصور کے فرزند معزالدین نے بڑی دھوم دھام کی امامت سلطنت وبادشاہت کی۔ انقلاب بھی ہوئے بربادیاں بھی ہوئیں مگر اسکا اثر مذہبی وقار پر

نہ پڑا۔ اسمیں برابر ترقی ہوتی رہی۔ یہانتک کہ ایران میں بھی اسکا چرچا ہوا۔ اور موجودہ آغاخان کے (شاید) دادا آغا حسن علی شاہ کی شادی شاہ ایران کی دختر سے ہوگئی۔ اس زمانہ میں سلطنت کی اندرونی پیچیدگیوں کے سبب آغا حسن علیشاہ ہندوستان میں آگئے۔ یہاں تین سو برس سے پیر صدرالدین اور پیر شمس الدین نے آغاخانی مشن کو جاری کر رکھا تھا۔ پیر صدرالدین کے ذریعہ سے اضلاع سندھ۔ بمبئی۔ کوکن۔ گجرات میں لاکھوں مرید ہوگئے تھے۔ اور پیر شمس الدین تبریزی کے توسل سے اضلاع پنجاب وغیرہ میں لاکھوں سنار اور کمہار اس گروہ میں شامل ہوگئے تھے۔ اسلئے آغا صاحب کو اس ملک میں ایک بنی بنائی تیار جماعت مل گئی۔

آج دنیا میں کسی بادشاہ کو ایسی وفادار رعیت اور کسی پیر کو ایسے سچے جان نثار عقیدتمند مرید میسر نہیں ہیں جیسی آغاخان کی جماعت ہے وہ اپنے امام کے حکم پر جان و مال قربان کر دینا معمولی بات تصور کرتے ہیں۔ ہر سال لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ بطور نذر۔ یا خراج۔ عشر۔ زکوٰۃ۔ وغیرہ کے آغاخان کو دیا جاتا ہے۔ اور وہ اُس کو اپنے اخراجات کے علاوہ قومی ضرورتوں میں خرچ کرتے ہیں۔ انکی جماعت کے ہزاروں غریب ماہانے پاتے ہیں۔ بیماروں کے لئے شفاخانے قائم ہیں تعلیم کے مد میں آغاخان زیادہ فیاضی کام میں لاتے ہیں۔ علیگڈھ کالج میں سات آٹھ سو روپیہ ماہوار دیتے ہیں اور اپنے مریدوں سے لاکھوں روپیہ کالج کو دلوا چکے ہیں۔

ایک زمانہ میں انکی جماعت تمام مسلمانوں سے علیحدہ سمجھی جاتی تھی اور اسکے متقدا قصداً اسکو علیحدہ رکھنا ضروری خیال کرتے تھے مگر موجودہ آغاخان نے اس قاعدہ کو ترک کر کے اپنی جماعت کو عام مسلمانوں کے میل جول کیطرف

مائل کرنا شروع کیا ہے اور آہستہ آہستہ ان کو اسلامی برادری میں لا رہے ہیں
ابتدا میں جگہ جگہ علی جی کے مندر بنائے گئے تھے اور اُن میں حضرت موسےٰ
علی اور آغاخانی اماموں کی تصویریں رکھی جاتی تھیں تاکہ وہ ہندو جو حضرت علی کو
وشنو کا دسواں اوتار مانتے ہیں اور مورتی کے درشن کو ضروری خیال کرتے
ہیں۔ اپنی تسلی کا سامان ان اسلامی مندروں میں پائیں۔ مگر اب ان آغاخان نے
رفتہ رفتہ ان تصویروں کو علی جی کے مندروں سے اُٹھوا دیا ہے۔

بعض ناوان مسلمانوں میں پچھلے دنوں آغاخان کے ذاتی عقائد کی نسبت مخالف
چرچا پیدا ہو گیا تھا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ آغاخان کے بعض رشتہ داروں نے اپنی
خانگی کشیدگی کے سبب نالش کی تھی۔ عدالتی اظہارات میں آغاخان صاحب سے
انکے عقائد کی نسبت بھی سوال ہوا جسکو اُنھوں نے نہایت بے پروائی سے ٹال
دیا۔ اخبارات نے آغاخانصاحب کے بیانات پر جرح لکھی کہ اُنھوں نے قرآن شریف
سے بے تعلقی ظاہر کی اور حضرت علی کو مظہر ذات خدا بیان کیا۔

حالانکہ اصلیت اسکے بالکل خلاف ہے۔ آغاخانصاحب باعتبار عقائد مسلمان
ہیں اور قرآن وحدیث پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن وہ الفاظ قرآن کو قابل تعظیم نہیں
جانتے بلکہ اُسکے مفہوم اور معانی کا احترام کرتے ہیں۔ اس سے لوگوں کو غلط
فہمی ہوئی۔ آغاخانصاحب کا یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے اسپر اگلے زمانہ
میں بڑی بڑی معرکہ کی بحثیں علماء اور مجتہدین میں ہو چکی ہیں۔

حق یہ ہے کہ آغاخان ایک اعلیٰ درجہ کے سمجھ دار لیڈر ہیں۔ جو مسلمانوں کی ترقی و حفاظت
کے لئے ہمہ تن آمادہ رہتے ہیں اور انکی جماعت میں جسقدر جاہلانہ عقائد تھے۔
انکی آہستہ آہستہ اصلاح کر رہے ہیں۔ خوجے آغاخان کے دیدار کو نہایت ضروری
اور بابرکت خیال کرتے ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ ان خوجوں میں سے کچھ لوگ آغاخانکے حضور

سے برگشتہ ہو گئے تھے مگر سنا ہے کہ وہ سب آسمانی بلاؤں میں مبتلا ہو کر حیران و پریشان ہوئے۔ ایک پنجابی اردو اخبار کے ایڈیٹر نے ایک دفعہ آغاخانصاحب کی مذمت چھاپی تھی انکے مریدوں نے اسکے خلاف چارہ جوئی کرنی چاہی مگر آغاخانصاحب نے روکا اور فرمایا کہ آسمانی فیصلہ کا انتظار کرو۔ چنانچہ فوراً وہ ایڈیٹر بلائے ناگہانی میں گرفتار ہو کر جیل خانہ بھیجا گیا اور آجتک جیل میں ہے۔

گو یہ انکے مریدونکی خوش عقیدگی کے خیالات ہیں۔ مگر ایسے روشن زمانہ میں جبکہ چارونطرف سائنس و فلسفہ کا دور دورہ ہو ایک بعید از عقل عقیدہ کا قائم رہنا بغیر کسی باطنی طاقت کے حفاظت کے ناممکن ہے۔ ضرور آغاخان کے پاس انکی خاندانی چیزوں میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جسکے اثر سے ایک عالم اُن کا مسخر ہے۔

اسی تذکرہ میں مخزن کے لئے یہ اطلاع دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ بوستان خیال کا مشہور فسانہ آغاخان صاحب کے بزرگوں کے نام پر لکھا گیا ہے۔ مہدی قائم الملک۔ معزالدین۔ جسقدر ہیرو اس فسانہ کے ہیں وہ سب آغاخانصاحب کے اجداد ہیں۔ فسانہ نویس نے غالباً اپنے ائمہ کی بزرگی و عظمت کا اظہار اس طریق سے مناسب سمجھا ہے گو وہ صاف صاف اپنے مخفی اصول کی وجہ سے لب کشائی نہ کر سکا۔

آغاخانصاحب مسلمانوں کے لئے ایک روشن خیال عقلمند صاحب باطن لیڈر ہیں۔ اور ہندوستان کے واسطے ایک نہایت با اثر ہمدرد ہیں جنکی ہمدردی ہمیشہ مفید ثابت ہوئی ہے۔ انکی جماعت رام کرشن وغیرہ جمیع بزرگان ہنود کی تعظیم کرتی ہے۔ اور وہ خود بھی بہت بے تعصب آدمی ہیں۔

حسن نظامی از خانقاہ مبارک حضرت محبوب الٰہی رح دہلی۔

کلامِ اکبر

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب حسن اتفاق سے گذشتہ مہینے میں دہلی میں تشریف لائے۔ وقت ملاقات چند تازہ نظمیں اُنکے مسودات سے نقل کرنے کا موقعہ ملگیا۔ ورنہ سید صاحب ممدوح کو آشوب چشم نے ایسا معذور کر رکھا ہے کہ وہ آجکل بہت کم لکھ سکتے ہیں اور اسلئے ان کے کلام کے شائقین کو اُن کے کلام سے مستفید ہونے کا حسب دلخواہ موقعہ نہیں ملتا۔ نومبر کے پرچہ میں جو کلام شائع ہوا ہے وہ بھی اسی موقعہ پر حاصل ہوا۔ اور اس مرتبہ بھی اُسی کا ایک حصہ شائع کیا جاتا ہے۔ البتہ سید صاحب جن دنوں یہاں تشریف فرما تھے۔ دہلی میں چند نہایت پُر لطف صحبتیں رہیں۔ جن میں اُنھوں نے زبانی دریائے معانی بہائے۔ سننے والوں نے مزے لئے۔ مگر اُسوقت یہ کس سے ہو سکتا تھا کہ جو اشعار اُنکی زبان سے نکلتے جاتے تھے۔ قلمبند کرلیتا:-

مغرب کی لعبتوں نے اسٹیج کو سنوارا — بجنے لگا پیانو چپ ہو گیا چکارا
بیتاب ہو کے آخر یہ شیخ نے پکارا — دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

گم ہیں میری نظر سے وہ ساحل دلآویز — ناکامیوں کی موجیں بہتی ہیں اب بہت تیز
اسٹیمر اپنے ہم کو دیتے نہیں یہ انگریز — کشتی شکستگانیم اے بادِ شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینیم آن یار آشنا را

مشرق کے حق میں مہلک ہے یہ پیوند — بدنامیوں سے بچ تو اے مصلحِ ہنرمند
مصلح یہ بولا اکبر کی سعی میں نے ہر چند — درکوئے نیکنامی مارا گزر ندادند

گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

خوش چشم آہوؤں کی صحرا میں وہ اچھل کود | موہم بھی روح پرور ساقی بھی حسب مقصود
فطرت کا حکم نافذ تقوی کی فکر بے سود | حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود

اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

فہمیدن معانی ہر طبع کے تواند | لذت بباید آں دل کو راز ہا بداند
موجے بسینہ خیزد در شوق غرق ماند | گر مطرب حریفاں ایں نظم من بخواند

در وجد و حالت آرد پیران پارسا را

عبدالقادر کے نام

اس نظم کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہوئے مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ ایسی نظم اور ایسے خیالات کا مخاطب مجھے بنایا گیا ہے اور ایسے بلند ارادوں میں مجھے شریک کیا گیا ہے۔ سوائے اسکے کہ دل اپنے دلنواز کی محبت کا شکریہ ادا کرے اور میں یہ دعا مانگوں کہ خدا حضرت اقبال کے ارادوں میں برکت دے۔ اور اگر میرے نصیب میں کوئی خدمت ملک کی لکھی ہے تو مجھے بھی اسکی توفیق عطا فرمائے۔ کوئی جواب اس خط کا مجھ سے بن پڑتا نہیں۔ خصوصاً جب جناب اقبال کے اشعار آبدار کے مقابل اپنی نثر کی خشکی اور بے مایگی پر نظر کرتا ہوں۔ (عبدالقادر)

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افق خاور پر | بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں
ایک فریاد ہے مانند سپند اپنی بساط | اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کر دیں
پھونک ڈالا تھا کبھی فتر باطل جس نے | حدت دم سے اسی شعلے کو پیدا کر دیں

اہلِ محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق — سنگِ امروز کو آئینۂ فردا کر دیں
جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دکھا کر ان کو — تپش آمادہ تر از خونِ زلیخا کر دیں
تنِ آتش زدۂ شوق کو مانندِ سمند — قطعِ منزل کے لئے آبلہ پا کر دیں
اس چمن کو سبقِ آئینِ نمو کا دے کر — قطرۂ شبنمِ بے مایہ کو دریا کر دیں
رختِ جاں بتکدۂ چیں سے اٹھا لیں اپنا — سبکو محوِ رخِ سعدیٰ و سلیمیٰ کر دیں
درد ہے سارے زمانیکا ہمارے دلمیں — جنس کمیاب ہے۔ آ۔ نرخ کو بالا کر دیں
دیکھ یثرب میں ہوا ناقۂ لیلیٰ بے کار — قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں
زاہدِ شہر کہ ہے سوختہ طبعی میں مثال — خشک ہے۔ اسکو غریقِ نمِ صہبا کر دیں
بادۂ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ گداز — جگرِ شیشہ و پیمانہ و مینا کر دیں
سنگ رس شاخِ چنی ہمنے نشیمن کے لئے — اپنے بے دردوں کو آمادۂ ایذا کر دیں
گرم رکھتا تھا ہمیں سردیِ مغرب میں جو داغ — چیر کر سینہ اسے وقفِ تماشا کر دیں
شمع کی طرح جئیں بزمگہِ عالم میں — خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

ہر چہ در دل گذرد وقفِ زبان دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع

محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا لاہور

دار العلوم ندوہ

دار العلوم ندوہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے جو عالیشان جلسہ لکھنؤ میں آخر نومبر میں منعقد ہوا۔ مولینا حالی مدظلہ اس میں تشریف لیجانے کو تھے۔ اور ارکین ندوہ کے اصرار سے انھوں نے ایک نظم اس موقعہ کے لئے لکھی تھی۔ آپ بوجہ علالت شریک نہ ہو سکے۔ اور لوگوں کو انکی نظم سننے کی تمنا ہی رہی۔ جناب مولوی وحید الدین صاحب

سلیم پانی پتی کے وہ نظم ہاتھ لگی اور اُنھوں نے علیگڈھ گزٹ میں شائع کردی ہے۔

لیکن چونکہ مولینا حالی کا تازہ کلام ہے اسلئے بہت وسیع حلقۂ شائقین تک پہونچنے کا مستحق ہے۔ ہم اس نظم کو نہایت خوشی سے درج کرتے ہیں :-

ڈر حادثات دہر کا پھر اُس عمارت کو ہی کیا | رکھی گئی ہو علم اور صلاح پر جس کی بنا
ہوں راج اور مزدور جس کے اہلِ علم و اتقا | اور مستری جس کا بنے صوبے کا خود فرمانروا
ہیوٹ نے ڈالی تری نیو اے ندوہ! کر شکر خدا

اب مشکلیں فضلِ خدا سے تری سب آسان ہیں | سر جان ہی تیرا مربی قوم ہے تری معین
رُک رُک کے آخر جھک چلے ہیں تری جانب اہلِ دیں | اے ندوہ! یہ سامان بجز تائید ربانی نہیں
پھر ڈر ہے اُس بیڑے کو کیا جسکا خدا ہو ناخدا

بے گھر تھا تو اے ندوہ! تجھکو گھر دیا سر جان نے | ویرانہ تھا۔ آباد تجھکو کر دیا سر جان نے
موقع تجھے بہتر سے بہتر دیا سر جان نے | خاکا تھا اک تو رنگ تجھ میں بھر دیا سر جان نے
اب تو قدم آگے بڑھا خواہش ہی گر اس سے سوا

اُس ملک کے اہلِ ملک پر سمجھو خدا ہی مہربان | آزاد ہوں مذہب جہاں۔ آباد ہوں معبد جہاں
ہو سلطنت اُس قوم کی جو علم کی ہو قدرداں | جلسوں میں پبلک کے شریک آکر ہوں اعلیٰ حکمراں
دیں تاکہ اپنے خلقِ شاہانہ سے دل سب کے بڑھا

دیں علم کی ترغیب اُنھیں جو علم سے بیزار ہوں | امداد دیدیکر بڑھائیں اُن کو جو نادار ہوں
خیر اور پر اُن کو چڑھائیں جو کہ ناہموار ہوں | دیں واجبی حق بیدریغ اُن کو کہ جو حقدار ہوں
جس قوم کو دیکھیں گرا لیں دوڑ کر اُسکو اُٹھا

ممکن ہی کچھ دل اس حکومت میں ہوں نالاں اور حزیں | پر اس سے تو خالی حکومت کوئی دنیا میں نہیں
وہ بادشاہ قبضے میں جس کے آسمان ہے اور زمیں | اُسکی حکومت میں بھی شادی ہی کہیں ماتم کہیں
بارانِ رحمت ہی کہیں رحمت کہیں سیلِ بلا

حق یہ ہے، ہو جس ملک میں ہر قوم کی حالت جدا
اِس قوم کا مقصد الگ اُس قوم کی حالت جدا
رسمیں جدا ہر قوم کی مذہب جدا ملت جدا
نقشہ جدا، رنگت جدا صورت جدا سیرت جدا
ہے انتظام اُس ملک کا اعجاز انگلش قوم کا

حتاج تھی جو پرورش کے، تم نے پالا ہے انہیں
جو ہو گئے تھے پست، پستی سے نکالا ہے انہیں
ور بے سے تھے جو گر گئے تم نے سنبھالا ہے انہیں
انگھڑ تھے جو تعلیم کے سانچے میں ڈھالا ہے انہیں
ہم سے تمھارا شکر اے برطانیہ! کیا ہو ادا

ندوے کو یو آنر نے دی عزت ہے جو یہاں آن کر
ندوے کا یہ اعزاز ہے احسان ساری قوم پر
خیر اس حکومت کی مناتے ہیں مسلماں سر بسر
حق سے دعا کرتے ہیں جان و دل سے یہ شام و سحر
ایڈورڈ ہفتم اور شہنشاہی رہے اُسکی سدا

یہ فارسی ترکیب بند مولینا شبلی کے بحر طبیعت کی ایک موج ہے۔ اسکا لطف پورا تو اُن لوگوں نے اُٹھایا جنھوں نے لکھنؤ میں مولوی صاحب کی زبانی اسے سنا۔ وہاں دو تین مرتبہ یہ نظم پڑھوائی گئی اور اسکی ایک ایک کاپی کئی کئی روپوں کو بکی۔ اسکے بعض اشعار مستقل لطف رکھتے ہیں۔ اسلئے ہم اسے شائع کرتے ہیں:-

اے کہ نیرنگ سراپردہ عالم دیدی
جاہ کیخسرو و فر جم جم دیدی
ونہ گوں بازی گردون نگاہ آوردی
پیکر آرائے ایں برشدہ طارم دیدی
سند آرائے جم را بہ نظر آوردی
تاج سلجوق و خم طرہ دیلم دیدی
استانہائے جہانگیری خسرو خواندی
زور بازوئے کمند افگن رستم دیدی
نرہ افسر و دیہیم تماشا کردی
سر برافراختن رایت و پرچم دیدی
ہم جہانگیری شمشیر و سناں بشنیدی
ہم طراز ندگی خامہ و خاتم دیدی
لغرض ہر چہ جہاں را سر و ساماں باشد
ہمہ را دیدی و خود گیر کہ ہم دیدی

خود گرفتم کہ در جلوہ گہ دولت و جاہ — آنچہ ہرگز نتواں دید۔ تو آں ہم دیدی

لیک بالاتر ازیں جملہ جہانے دگرست
کہ ورا کالبدے دیگر و جانے دگرست

عالمے ہست کہ آنجا سخن از جاں باشد — عالمے ہست کہ دردش ہمہ درماں باشد
عالمے ہست کہ ہر ذرۂ او را بہ فروغ — پنجہ در پنجۂ خورشید درخشاں باشد
عالمے ہست کہ آنجا بہ رہ و رسم نیاز — چرخ و انجم ہمہ سر بر خط فرماں باشد
خاک او معتکف دیلم و سلجوق برو — درگہش سجدہ گہ قیصر و خاقاں باشد
سخن آنجا رود از منبر و محراب دعا — گر حدیثت ہمہ از گنبد و ایواں باشد
تو حدیث از جم و کیخسرو و دارا گوئی — سخن آنجا ز مسیح و سلیماں باشد
سامری دم نتواند زدن آنجا کہ خود او — پنجہ بر تافتۂ موسیٰ عمراں باشد
داستانہائے تو افسانۂ شاہ است و وزیر — حرف آں بزم ز پیغمبر و یزداں باشد
گفتگوئے تو ز توقیع و ز فرماں و آنجا — سخن از وحی و ز الہام و ز فرقاں باشد
تو حدیث از جم و دارا بسرائی و آنجا — گفتگو از عمر و حیدر و عثماں باشد
ہیبت درۂ عدل عمری برگویند — گر حدیثت ز دم خنجر خاقاں باشد
تو بہ فرمودۂ اسپنسر و بیکن نازی — سخن آنجا ہمہ از گفتۂ یزداں باشد
کم ز آئین جہانداری سولن نہ بود — آں اساسے کہ برآوردۂ نعماں باشد
زیں دو عالم کہ ترا در نظر آمد اکنوں — تو کرا خواہی و کارت بچہ عنواں باشد

ہاں نگویم کہ آں گیری و ایں بگذاری
حیف باشد کہ تو سر رشتۂ دیں بگذاری

خوش بود ایں کہ ترا جاہ و حشم ہم باشد — لیک حیف ست، اگر حرمت دیں کم باشد
ملک و دیں ہر دو بپا گشتۂ نیروئے ہم اند — اندراں کوش کہ ایں باشد و آں ہم باشد

بایدت سعی بداں ساں کہ بہر دو رسے | دین و دنیا بہم آمیزی و توام باشد
شرط اسلام نباشد کہ بدنیا طلبی | التفات تو بدین نبوی کم باشد
روز بازار بود فلسفہ و ہندسہ را | نامہ شرع پراگندہ و درہم باشد
رسم اسلام نباشد کہ بتحصیل علوم | ہیئت و ہندسہ بر شرع مقدم باشد
نکتہ شرع بہ افسانہ برابر بنہی | یورپ ار گپ زند آں نیز مسلم باشد
حل ہر مسئلہ فقہ ز یورپ طلبی | شرع پیش تو ز تقویم کہن کم باشد
دین نہ سنجی کہ ز آئین خرد دور بود | آنکہ بیگانہ بہ ہمرازی محرم باشد
از ابوبکر و عمر ہیچ بیادت ناید | گرمی بزم تو از میرزا اعظم باشد
در سخن بگذرد از شہرت و شان نبوی | ہر چہ گوئی ہمہ از گفتہ ولیم باشد
آنچہ حق ست ترا در نظر آید باطل | آنچہ شہد است بکام تو ہمہ سم باشد
کار ملت ہمہ آشفتہ و ابتر گشتہ است | صف جمعیت ما ہم صف ماتم باشد
آنکہ خود خاتمہ زندگیش ایں شدہ است | آہ! کو امت پیغمبر خاتم باشد

تو دریں غم کہ ز زر و زور و زمین نگذاریم
ما دریں فکر کہ سررشتہ دیں نگذاریم

شکوہ ام گرچہ نہ از حد بروں می باید | حالت ندوہ نہ ایں مایہ زبوں می باید
ایں چنیں درسگہ شرع بہ ایں حال تباہ | خود ببینید و مپرسید کہ چوں می باید
در دو دیں گر قدرے نیز بود بس باشد | زاں گذشتیم کہ بسیار و فزوں می باید
کار امروز بہ فردا نتواں باز گذاشت | زیں سپس آنچہ تواں کرد کنوں می باید
فرصت از دست بشد ہر چہ کنی زود بکن | ایں نہ کارے نہ در و صبر و سکوں می باید
ایں چنیں کار بہ تمکین و سکوں بر ناید | اندکے نیز دریں شیوہ جنوں می باید
کار ملت نہ بہ افسانہ و افسوں باشد | سینہ سوختہ و درد دروں می باید

شبلیا وقت دعا شد قلم از دست بنہ | آہ پرسوز و دل آغشتہ بہ خوں می باید
مانہ آنیم کہ جاہ و حشمے مے خواہیم | داورا از تو نگاہ کرمے می خواہیم

غزل

الٰہی حشر میں جاتی ہے وہ جان پیدا کر | بتوں کا سامنا ہے موت کا سامان پیدا کر
مرے رحم و وفا پر انکا اطمینان پیدا کر | خدارا اے محبت تو نیا ارمان پیدا کر
بتوں کے کشتگان ناز کا مجمع بہت ہوگا | الٰہی حشر میں اک دوسرا میدان پیدا کر
ضرورت ہی پئے شکر ستم صد ہا زبانوں کی | محبت میرے ہر ہر رونگٹے میں جان پیدا کر
طرحداروں نے تیری ساری دنیا لوٹ لی یارب | یہ کس نے کہدیا تجھسے کہ تو انسان پیدا کر
صبا انکو تو جو کچھ تجھسے کہنا ہو وہ کہدینگے | مگر تو کیا سنیگی پہلے اپنے کان پیدا کر
بغل میں رہکے کیا ارمان نکلیگا دل مضطر | تڑپنے کے لیے اپنے کوئی میدان پیدا کر
یہ طعنے اور مارے ڈالتے ہیں ہم کو جاناں یاں | پتنگے جلکے کہتے ہیں کہ ایسی جان پیدا کر
بڑا انبوہ ہی محشر میں اچھی شکل والوں کا | الٰہی آج اپنی خاص کچھ پہچان پیدا کر
وصال بت مری تدبیر سے ممکن نہیں یارب | تو مالک ہے تو ہی کچھ غیب سے سامان پیدا کر
الٰہی میں یہاں کس کس کی منتیں کرتا جاؤنگا | وہیں سے میری ساری مشکلیں آسان پیدا کر
جفا کہتی ہی ہٹ کمبخت میرا رنگ جمنے دے | وفا کا یہ تقاضا ہے کہ میری شان پیدا کر
یہ مجھپر اعتراض رسم الفت ہر گھڑی کیوں ہے | تجھے بھی دل ملا ہو تو بھی کچھ ارمان پیدا کر
یہ کسنے چند لفظوں میں تعلق کو چھپا ڈالا | یہ کسنے خط میں لکھا نامہ بر انجان پیدا کر
تلاش یار میں جنگل کی برسوں خاک چھانی ہی | ہوائے موسم گل اب مرے اوسان پیدا کر
در ساقی پہ زاہد جب کبھی پہونچا صدا آئی | کہ پیاسا ہے تو جا پیاسوں کی پہلے شان پیدا کر
ملا کر خاک میں دل کس ادا سے ہنس کے کہتے ہیں | اگر اب مل سکے تجھکو تو مٹی چھان پیدا کر
وفا اور ممکنات عاشقی میں امتحاں اسکا | کوئی پہلو ستم کا خارج از امکان پیدا کر

زمانہ ہو گیا کمبخت حسرت کو یہاں رہتے ۔ دل ناکام اب کوئی نیا مہمان پیدا کر ۔ جوانی کی سمجھ ناکام رکھتی ہی شرر سب کو ۔ کمی کم سن کا اپنے دل میں اب ارمان پیدا کر

صاحبزادہ محمد مصطفےٰ علیخان صاحب اشتر پرائیویٹ سکرٹری دربار رامپور